نحن انصار اللّٰہ

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ گھانا کے ۷۵ ویں جلسہ سالانہ کے موقع پر گھانا کے صدرِ مملکت کے ہمراہ

مجلس انصار اللہ کینیڈا کا ترجمان

GM
GATEWAY
Introducing a whole NEW generation
of Chevrolets from GM Import Division
Thank you for
your continued
support
O DOWN and O% Financing & Lease Rates
Sales & leasing Financing Available
Huge Selection - 2 Doors & 4 Doors
Huge selection of Pickup Trucks & Vans
Many Factory Incentives
Come For the Best Selection
Large selection of Pre-owned Vehicles
Large Service Dept. And Body Shop
Top Value For All Trades
Graduate Program $1000 Discount
WE NEED
YOUR
BUSINESS
For Any
Vehicle
contact ME!!!
Mubariz Warraich
TEL: (905) 791-7111- ext 201
E-mail: mubarizw@hotmail.com
2 GATEWAY BOULEVARD, BRAMPTON,
BONUS
With The Delivery Of Every
New Or Used Vehicle
Choose one of the following
DELUX BAR-B-QUE ---OR ---MOUNTAIN BIKE
Come for the BEST deal!
NEW & USED CARS, TRUCKS AND VANS

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم و علی عبدہ المسیح الموعود

مجلس انصار اللہ کینیڈا کا تعلیمی، تربیتی و دینی مجلّہ

نحنُ انصارُ اللّٰہ

1382 ہجری شمسی - 2004 عیسوی

جلد نمبر 5 --------- شمارہ نمبر 1

فہرست مضامین

☆ دینی اقتباسات ☆ اداریہ

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زریں نصائح

☆ اب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار

☆ دعوتِ الی اللہ ☆ تجدیدِ بیعت اور ہماری ذمہ داریاں

☆ برصغیر میں جلسہ ہائے سیرت النبیؐ کا آغاز ☆ ربوہ کی تعمیر

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی روحانی قوت کا پرتو

☆ برصغیر کا ایک بے مثال نعت گو

☆ میری زندگی کی سب سے پہلی بیعت

☆ سلائیڈ پروجیکٹر سے ایم ٹی اے تک

☆ خلافتِ خامسہ کی برکت سے انقلابِ نو ☆ برکاتِ احمدیہ

☆ تحریک پاکستان اور جماعتِ احمدیہ ☆ تجزیاتی تعاقب

☆ تھرڈ ورلڈ اکیڈمی آف سائینس ☆ مطالعاتی تاثرات

☆ شراب..آتشِ سیال کی شیطانی تباہ کاریاں ☆ خوشبو

☆ منظوم تاریخ ☆ گوشۂ ظرافت

امیر ومشنری انچارج کینیڈا

مولانا نسیم مہدی

صدر مجلس انصار اللہ کینیڈا

ملک کلیم احمد

قائد اشاعت

محمد زبیر منگلا

مدیر۔ اردو

ناصر احمد وینس

مدیر ۔ انگلش

ڈاکٹر ساجد احمد

کمپوزنگ و ڈیزائننگ

محمد خلیل

فوٹو گرافی

محمود احمد چغتائی

دفتر اشاعت ۔ 100 Ahmadiyya Ave, Maple Ont., Canada L6A 3A3 Tel: 905-417-1800 Fax: 905-417-1006

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغامِ ربّانی

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

(الفتح : ۲۹)

وہ خدا ہی ہے جس نے اپنے رسُول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ تمام دینوں پر اس کو غالب کر دے اور اللہ ہی کافی گواہ ہے۔

تفسیر:۔ امام محمود بن عُمر الزّمخشری (وفات: ۵۲۸ھ) اپنی تفسیر "الکشّاف عن حقائق غوامض التّنذیل" میں آیت مندرجہ بالا کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمام دینوں پر اسلام کا غلبہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہوگا۔ اور یہ غلبہ دلائل و براہین اور آیاتِ ربّانیہ کے ذریعہ سے ہوگا

(تفسیر الکشّاف الجزُ الثالث صفحہ ۴۶۸ مطبوعہ مصر)

ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اِلَى الْاَرْضِ يَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ۔

(مشکوٰۃ : باب نزول عیسیٰ علیہ السّلام)

ترجمہ:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسیح موعود علیہ السلام معبوث ہوں گے آپ شادی کریں گے اور آپ کی اَولاد ہوگی۔

ارشاداتِ عالیہ

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

اس حدیث کی تشریح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

قَدْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الْمَسِيْحَ الْمَوْعُوْدَ يَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ فَفِيْ هٰذَا اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ اللّٰهَ يُعْطِيْهِ وَلَدًا صَالِحًا يُشَابِهُ اَبَاهُ وَلَا يَاْبَاهُ وَيَكُوْنُ مِنْ عِبَادِهِ الْمُكْرَمِيْنَ وَالسِّرُّ فِيْ ذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُبَشِّرُ الْاَنْبِيَاءَ وَالْاَوْلِيَاءَ بِذُرِّيَّةٍ اِلَّا اِذَا قَدَّرَ تَوْلِيْدَ الصَّالِحِيْنَ۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام حاشیہ صفحہ ۵۷۸)

یعنی رسُول اللہ صلّے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ مسیح موعود شادی کرے گا اور اس کے ہاں اُولاد ہوگی۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مسیح موعود کو صالح بیٹا عطا کرے گا جو اپنے باپ کے مشابہ ہوگا اس کے برعکس نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ کے برگزیدہ بندوں میں سے ہوگا۔ اور اُولاد کی بشارت عطا ہونے میں راز کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو جب اَولاد کی بشارت دیتا ہے تو اس اَولاد کا صالح ہونا لازماً مقدر رہتا ہے۔

اداریہ

۲۰ فروری/ ۲۳ مارچ ۔تاریخِ احمدیت کے دو یادگار دن!

افراد اور اقوام کی تاریخ میں بعض ایّام کے دوران کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے کہ اس خاص واقعہ کی مناسبت سے وہ ایّام، افراد یا اقوام کے اذہان وقلوب میں یادگاری دن بن کر تاریخ میں بھی ہمیشہ کیلئے ثبت ہو جاتے ہیں۔ زندہ قومیں اپنی تاریخ کے ان خاص الخاص ایّام کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے اپنی اپنی روایات اور طور طریقوں کے ساتھ شایانِ شان منانے کا اہتمام کرتی ہیں۔ چنانچہ کوئی تو ان ایّام کو لچر ناچ گانوں، ہاؤ ہو، ناؤ نوشی اور ڈھول ڈھمکوں تک محدود کر لیتا ہے۔ جیسا کہ بالعموم مشاہدے میں آتا رہتا ہے۔ البتہ جماعت احمدیہ چونکہ ایک خالص مذہبی اور اسلام کی حقیقی نشاۃِ ثانیہ کی علمبردار جماعت ہے۔لہذا جماعت احمدیہ عالمگیر کے اندر اپنی تاریخ کے ان خصوصی ایّام کو بیہودگی اور لغویات کی نذر کر دینے کی بجائے پاکیزہ اسلامی ماحول کے پس منظر میں خصوصی جلسوں وغیرہ کا انعقاد کر کے خدا تعالیٰ کی تائیدونصرت کے حسین تذکروں کیساتھ منایا جاتا ہے۔ ان ایّام میں بیس فروری اور تئیس مارچ، تاریخ احمدیت میں اہم ترین دن شمار ہوتے ہیں۔ ۲۰ فروری کا دن اس لحاظ سے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے کہ اس روز (1886ء میں) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے بشارت پا کر باون (52) صفات کے حامل ایک موعود فرزند کی پیشگوئی شائع کی۔ اس پیشگوئی (جو کہ ''پیشگوئی مصلح موعود'' کے نام سے موسوم ہے) میں خدا تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی تھی کہ وہ موعود فرزند، تبلیغ و اشاعت دین کی مہم میں عظیم الشان کردار کا حامل ہو گا۔ چنانچہ اوراقِ تاریخ اس کھلی حقیقت کے گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیش گوئی کے عین مطابق حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کو اس موعود فرزندِ ارجمند (حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ) سے نوازا اور حضرت مصلح موعودؓ کے نصف صدی پر پھیلے دورِ خلافت میں شدید ترین مخالفتوں کے باوجود احمدیت دور دراز ملکوں میں بھی پھیلتی چلی گئی۔

پیشگوئی مصلح موعودؓ کے حوالے سے ایک بہت سادہ سا سوال مخالفینِ احمدیت سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحبؑ اپنے دعاوی میں جھوٹے ہوتے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ انہوں نے پوری تحدّی اور یقین کامل کیساتھ یہ پیشگوئی، فرزند کی ولادت سے قبل شائع کی اور پھر خدا تعالیٰ نے اس پیشگوئی کو حرف بحرف پورا فرماتے ہوئے مندرج صفات کا حامل بیٹا بھی عطا فرما دیا........ کیا یہ خارقِ عادت واقعہ نہیں؟ مخالفین احمدیت ذرا بتائیں تو سہی کہ کیا خدا تعالیٰ (نعوذ باللہ) اس بات پر قادر نہیں تھا کہ وہ حضرت مرزا صاحب کو رُسوائے عام کرنے اور خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کردہ اُن کی اِس پیشگوئی کو دنیا کے سامنے فقط ''جھوٹ کا پلندہ'' ثابت کرنے کی خاطر حضرت مرزا صاحب کو قبل از وقت دنیا سے ہی اٹھا لیتا یا انہیں اولاد سے کلیۃً محروم رکھتا....؟! ع

اِک نشاں کافی ہے گر دل میں ہو خوفِ کردگار

تاریخِ احمدیت میں دوسرا اہم دن تئیس مارچ ہے۔ اس دن (1889ء کو) حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اذن پا کر بمقام لدھیانہ پہلی بیعت لی اور یوں سلسلہ احمدیہ کی باقاعدہ بنیاد رکھی اور پھر خدا تعالیٰ ہی کی طرف منسوب اِس الہام کو مشتہر کیا کہ: **''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔''** اسکے بعد کے آنیوالے سالوں سے لیکر آجتک احمدیت کی مخالفت میں بڑے بڑے طوفان اٹھے مگر وہ احمدیت کی ترقی کا راستہ روکنے کی بجائے مہمیز کا کام دیتے رہے۔ چنانچہ چوبیس گھنٹے چلنے والا مسلم ٹی وی احمدیہ (ایم ٹی اے) آج دنیا کے کونے کونے میں اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچاتے ہوئے حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مذکورہ الہام کی صداقت کی گواہی پر مہر

لگا رہا ہے۔ جماعت احمدیہ کے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کے حالیہ دورہ مغربی افریقہ کے دوران سیّدنا حضرت بلال حبشیؓ کی قوم کا پروانوں کی طرح شمع احمدیت کی طرف لپکنا اور اخلاص و فدایت کے ایمان افروز نظاروں کی بے مثل جھلکیاں، ترقی و صداقتِ احمدیت کے تازہ ترین نشانات ہی تو ہیں....... پس آج خدا تعالیٰ کے فضل سے احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا پودا تناور درخت بن کر خود مخالفین احمدیت کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہا ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کے مشہور مخالف مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا یہ اعترافِ شکست، تمام مخالفینِ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو دعوتِ فکر دے رہا ہے۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں:-

''میں اکثر اوقات اس پر غور کرتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کو اپنے مشن....... میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی؟ مجھے مرزا صاحب کی کامیابیوں کا سلسلہ لامتناہی نظر آتا ہے۔ اور جس وقت مرزا صاحب کے مخالفین کی نامرادیوں پر غور کرتا ہوں تو وہ بھی بے حد و حساب نظر آتی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ ایک شخص خدا اور اس کے رسول کے مقابلہ پر کھڑا ہوتا ہے نائیبن رسول کو چیلنج کرتا ہے کہ تم سب مل کر بھی میرے مشن کو فیل نہیں کر سکتے کیونکہ خدا کی تائید میرے شامل حال ہے۔ تم جب بھی میرے مقابلہ پر آؤ گے ہر مرتبہ ذلیل و نامراد ہو گے اور یہی میرے نبی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ مرزائیوں کی حفاظت کے سامان غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں...... دوسری طرف مرزائیوں کے مخالفین کی تباہی کے سامان بھی غیب سے ظہور میں آ جاتے ہیں...... ذرا سچے رسول کی، ختم نبوت کی حفاظت کرنے والوں کی ناکامیاں اور تباہیاں سامنے لائیے۔ کس قدر زور دار تحریک اٹھی تھی اور کیسے ہمیشہ کے لئے ختم ہو کر رہ گئی''

(ماہنامہ ''ترجمان القرآن''۔ پٹھانکوٹ اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۸-۵۷)

لیکن صد حیف کہ مودودی صاحب اور ان جیسے دیگر مخالفینِ امامِ زمانہ نے، جانتے بوجھتے اور **'' اکثر اوقات اِس** (ضمیر و دماغ سے اٹھتی ہوئی پکار) **پر غور کرنے''** کے باوجود، ضمیر کی اس آواز پر صدقِ دل کیساتھ کان دھرنے اور مامورِ زمانہ کی شناخت جیسی سعادت سے بہرہ مند ہونے سے خود کو محروم کئے رکھا۔ نہ صرف محروم، بلکہ اصدق الصادقین آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیان فرمودہ نشانیوں کو جاگتی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ کر بھی آسمانوں سے اتر کر، ایک پرانی امت کے کسی آنیوالے شخص کے بے سود انتظار کی موہوم امیدوں کا جنازۂ حسرت، دل میں دفنائے راہیِ ملکِ عدم ہو گئے..... جبکہ قلب و نگاہ جس کے لئے مدتوں سے فرش راہ تھے، بقول شخصے ؎

وہ تو صدیوں کا سفر کر کے یہاں پہنچا تھا
تُو نے منہ موڑ کے جس شخص کو دیکھا بھی نہیں!

’’اب بھی اُس سے بولتا ہے جس سے وہ کرتا ہے پیار‘‘

سیّد ظفر احمد صاحب ۔ٹورنٹو ایسٹ

انسانی پیدائش کے متعلق قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو اسلئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کو ظاہر کرے اور اسکا نمونہ بنے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الزاریات۔۵۱)

ترجمہ: میں نے جن و انس کو صرف اسلئے پیدا کیا ہے تا وہ خدا تعالیٰ کی صفات کا نقش اپنے دل پر پیدا کریں۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کے ایک سو چار ناموں کا ذکر آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں یا صفات کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اول وہ صفات جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ مخلوق کا اُن سے کوئی واسطہ نہیں۔ مثلاً **الحی** زندہ رہنے والا۔ **القادر**۔ قدرت اور اختیار رکھنے والا۔ دوسری وہ جو مخلوق کی پیدائش کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ مثلاً **الخالق**۔ **المالك**۔ تیسری قسم کی صفات وہ ہیں جو بالارادہ ہستیوں کے اچھے اور بُرے اعمال کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اسی قسم سے مضمون کا تعلق ہے۔ مثلاً **رحیم**، **الوَدُود** **المتکلمُ**۔ **عفوّ**۔ **رؤوف**۔ یعنی وہ بندے سے بہت پیار اور نرمی کرنے والا ہے اور سزا کے پہلو کو رحم اور پیار پر ترجیح دینے والا ہے۔ اور جب وہ پیار کرتا ہے تو بندے سے کلام بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت بھی منسوخ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ ہر زمانے میں انسان اللہ تعالےٰ کی ان صفات سے فائدہ اُٹھاتا آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیار کا موجب بنا ہے۔

وہ سخت غلطی پر ہیں جو یہ اخذ کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پہلے پیار کرتا تھا اور اب نہیں کرتا یا پہلے بولتا تھا اور اب نہیں بولتا۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان کیسا لانا چاہیئے۔ اس کی ہستی کے ثبوت کیا ہیں اور وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تاریکی کے وقتوں میں اپنا کلام نازل کر کے اور اپنی غیر معمولی قدرتوں کو ظاہر کر کے اپنی ہستی کو ثابت کرتا رہتا ہے اور یہی اُسکے وجود کا حقیقی ثبوت ہے۔ انبیاء اور ان کے کامل اتباع کا وجود خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثابت کرنے کے لئے دنیا میں نہایت ضروری ہے۔ اگر خدا تعالیٰ انبیاء اور اُن کے اتباع کے آئینہ میں اپنی شکل نہ دکھاتا رہے تو دنیا شکوک و شبہات کے گڑھے میں گر جائے اور خدا تعالیٰ کا ذکر دنیا سے مِٹ جائے۔ جب تک دنیا قائم ہے۔ خدا تعالیٰ سے کلام پانیوالے اور اس کے کلام سے مشرف ہونے والے انسان دنیا میں آتے رہیں گے اور یہ سلسلہ کبھی بھی ختم نہیں ہو گا کیونکہ ایمان کا قیام اس ذریعہ سے ہے کہ خدا تعالیٰ ابتدائے عالم سے لیکر حضرت مسیح علیہ السلام تک اور مسیح سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کلام کرتا چلا آیا ہے۔ اُسی طرح جس طرح کہ وہ پیدا کرتا چلا آیا ہے۔ جس طرح وہ سنتا چلا آیا ہے۔ جس طرح وہ دیکھتا چلا آیا ہے۔ وہ حضرت محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے بعد بھی مخلوق کی انتہاء تک اپنے خاص خاص بندوں سے کلام کرتا چلا جائیگا اور اپنی ذات کو دنیا پر ظاہر کرتا رہے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مسیح علیہ السلام یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تو وہ بولتا ہو اور اسکے بعد وہ نعوذُباللہ گونگا ہو گیا ہو۔ جس طرح یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تو وہ بینا تھا مگر اس کے بعد اندھا ہو گیا۔ یا مسیحؑ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تو وہ خالق تھا مگر اسکے بعد اس سے صفت خلق جاتی رہی۔ یا مسیحؑ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تو وہ طاقتور تھا مگر اس کے بعد اسکی طاقت سلب ہو گئی۔ کون عقلمند اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ خدا پہلے طاقتور تھا اب کمزور ہو گیا ہے یا خدا پہلے بینا تھا اب اندھا ہو گیا ہے یا مسیحؑ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہ خالق تھا اس کے بعد پیدائش کی طاقت اسکے ہاتھوں سے نکل گئی یا مسیحؑ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تو وہ علیم تھا اس کے بعد اس کا علم جاتا رہا۔ عجیب بات ہے کہ باوجود اسکے کہ حقیقت اتنی واضح ہے۔ عیسائی۔ یہودی۔ زرتشتی اور آجکل کے غلطی خوردہ مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام حضرت زرتشت، پرانے اسرائیلی نبیوں۔ مسیحؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہو گیا ہے۔ قرآن کریم اسکو رد کرتا ہے۔ قرآن کریم خدا تعالیٰ کے زندہ ہونے کا ثبوت ہی اس بات کو قرار دیتا ہے کہ خدا اپنے نیک بندوں سے ہمیشہ بولتا اور پیار کرتا ہے اور کرتا رہیگا جس طرح وہ پہلے بولتا تھا۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور نے ایک دفعہ پھر اس قرآنی صداقت پر مہر تصدیق لگا دی ہے اور ایک دفعہ پھر خدا تعالیٰ کا کلام آپ پر اور آپکے سچے تابعوں پر نازل ہو کر دنیا کے اُن لوگوں کو چیلنج دے رہا ہے جو خدا تعالیٰ کو گونگا بنا رہے ہیں۔

قرآن اس بحث کو بھی اُٹھاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام کسی ایک قوم سے مخصوص نہیں بلکہ تمام اقوام عالم میں خدا تعالیٰ کے نبی آتے رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کلام اور اپنے پیار کا اظہار کرتا رہا ہے۔ اور ان کے ہاتھوں پر اپنی قدرتوں کا اظہار کرتا رہا ہے۔ پس کیوں نہ علمی غور، فکر اور مشاہدہ کے ذریعہ سے صداقت کو معلوم کیا جائے اور آج اس روحانی جنگ کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا جائے۔ کاش ہم سب اس کے لئے تیار ہوں تو دنیا ایک لمبے روحانی مرض سے جلد نجات حاصل کر لے اور خدا تعالیٰ کا جلال اور اس کی قدرت، خارق عادت طور پر ظاہر ہو کر لوگوں کے ایمان اور روحانیت میں ترقی کا موجب ہوں۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مکرم میر مجید احمد طارق صاحب (نیشنل قائد تبلیغ)

دعوت اِلی اللہ

’’تم میں سے ہر ایک داعی ہے اور خُدا تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوگا۔‘‘ (حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ)

دعوت اِلی اللہ کے لفظی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا یا بُلانا۔ یعنی اُس طرف بُلانا اُس طرف دعوت دینا جہاں سے اللہ تعالیٰ مِل جائے۔ خُدا کی رضا حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مُحبت اور خشیت دِل میں پیدا ہو جائے۔ انسان خُدا کا ہو جائے اور خُدا اُس کا ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر فرض کر دیا ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کریں۔ قرآن کریم میں کئی جگہوں پر مختلف انداز سے اِس کا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۃ حٰم السجدہ کی آیت نمبر 34 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے’’ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ جس کا ترجمہ ہے’’اور اِس سے زیادہ اچھی بات کس کی ہو گی جو کہ اللہ کی طرف لوگوں کو بُلاتا ہے.....‘‘ اِس آیت کریمہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی سب باتوں سے بہتر بات دعوت اِلی اللہ ہے۔ ایسا قول، ایسا کلام ایسی بات ایسی تحریر جس سے کوئی حق کو پا لے سیدھا راستہ حاصل کر لے یہ ایسی نیکی ہے جو خُدا تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ قرآن کریم، احادیث نبویؐ اور اسوۂ رسولؐ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسان کا کوئی بھی عمل جو کسی کے لئے ہدایت کا موجب بنے وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ بخاری سے حدیث نبویؐ ہے۔ ’’فواللہ لان یھدی اللہ بك رجلا واحدا خیرلك من حمر النعم‘‘ اِس کا ترجمہ یوں ہے کہ ’’خدا کی قسم اگر اللہ کی مدد سے تمہارے ذریعہ ایک شخص بھی ہدایت پا جائے تو یہ تمہارے قیمتی سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے‘‘۔ عربوں کو سُرخ اونٹ بہت پسند ہیں اِس لئے یہ قیمتی ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اُس وقت کی قیمتی شے کی مثال دے کر عربوں کو یہ سمجھایا ہے۔ کہ تمہارا قول و فعل جس سے کوئی ہدایت پا جائے بڑے اَجر کا موجب ہے۔ ایک مسلمان کے لئے یہ فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اُس کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کے تمام احکام کی بجا آوری کے لئے آخر دم تک کوشش کرتا رہے۔

اِس آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی حقیقی تعلیمات کے ذریعے دُنیا کو مُنور کرنے کی غرض سے بھیجا ہے۔ پس ہر احمدی پر فرض ہے کہ وہ داعی اِلی اللہ بن جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی غلامی میں آپ کے نقشِ قدم پر چل کر اپنا ہر سانس دعوت اِلی اللہ کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ آپ ملفوظات جلد سوم صفحہ 391 میں فرماتے ہیں:۔ ’’ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خُدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور پھر اِس ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دُنیا میں پھیلا ہوا ہے لوگوں کو بچائیں اور اِس میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جائیں‘‘۔ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے عاشقِ صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والے پر لازم ہے کہ وہ اپنے اِن آقاؤں کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے تا اُس مقام تک پہنچ سکے جہاں خُدا تعالیٰ کی رضا نصیب ہو سکے۔

داعی اِلی اللہ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بڑا عالم ہو۔ ہر انسان اپنے اندر مختلف قسم کی قوتیں رکھتا ہے۔ انسان کے پاس سب سے بڑی قوت سچائی ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اِس زمانے کے سچے امام کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ہم سچائی پر ہیں اور یہی ہماری طاقت ہے۔ ہمارا زندہ خُدا کے ساتھ سچا تعلق قائم ہے۔ وہ ہماری دُعائیں سُنتا ہے اور ہماری مدد کرتا ہے۔ جب یہ طاقت ہمارے پاس ہے تو پھر ہمیں کسی اور شے کی کیا ضرورت ہے۔

آئیں ہم سب عہد کریں کہ دعوت اِلی اللہ کا اہم فریضہ اُس وقت تک ادا کرتے رہیں جب تک ہمارے دم میں دم ہے۔ اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش اور وعدہ کریں اور ساتھ ہی یہ نیکی کا عظیم کام شروع کر دیں۔ ہر وقت یہ سوچیں کہ یہ ذمہ داری کیسے ادا کرنی ہے۔ صبح آنکھ کُھلتے ہی دعوتِ الی اللہ کی فکر شروع ہونی چاہئے اور رات کو دعوتِ الی اللہ میں کامیابی کی دُعائیں کرتے ہوئے آنکھیں بند ہوں۔ رستے میں چلتے ہوئے، کام کرتے ہوئے اُٹھتے ہوئے بیٹھتے ہوئے ہر حال میں اگر ہم اِس نیکی کو یاد رکھیں پھر دُعائیں کرتے ہوئے حکمت اور تدبر سے دعوتِ الی اللہ کے بیج بوتے چلے جائیں اور اللہ پر پورا توکل کریں تو ممکن نہیں کہ خُدا ہماری محنتوں کو ضائع کر دے۔ وہ تو سب سے بڑا انصاف کرنے والا ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک کام جس کا حکم بھی دے پھر ہم وہ کریں تو وہ ہمیں اُس کا پھل عطا نہ فرمائے۔ ہاں انسان جلد باز ہے وہ فوراً پھل حاصل کرنا چاہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ کب کونسا پھل ہمارے لئے بہتر ہے۔ پس اے آخرین کی وہ خوش نصیب جماعت جس کو اللہ تعالیٰ نے اِس زمانہ میں دین کی تجدید کے لئے چُنا ہے ایسا نہ ہو کہ تم اِس سعادت سے محروم رہ جاؤ۔ خُدا اور اُس کے رسولؐ نے بہر حال غالب آنا ہوتا ہے۔ دعوتِ الی اللہ کا بڑا وسیع میدان خالی پڑا ہے۔ اگر ہم اِس کارِ خیر میں آگے نہ بڑھے تو خُدا تعالیٰ ہماری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ پھر تاریخ میں ہمارا نام اُن بدنصیبوں میں نہ لکھا جائے جنہیں اِس میدان کے فتح کرنے کا موقعہ مِلا مگر وہ اِس موقعہ سے کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

ہمارا کام ہے اپنی استطاعت کے مطابق کوشش کرنا اور پھر خُدا تعالیٰ کا کام ہے اِن کوششوں میں برکتیں ڈالنا۔ ہمارا کام ہے زمین میں بیج بونا اُس کو اُگانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جن کی قسمت میں ہدایت پانا مقدر ہے وہ ضرور ہدایت پائیں گے۔ مگر اُن کو پیغام پُہنچانا ہمارا کام ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں۔

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہے وہ آئے گا انجام کار

آئیں ہم سب مل کر آواز دیں۔ اپنے ساتھ اپنے بچوں کو ملائیں اپنے دوستوں کو ملائیں اپنے جاننے والوں کو ملائیں اور اجنبیوں کو ملائیں۔ ہر گھر میں جہاں روز مختلف قسم

کے پروگرام بنتے ہیں وہاں ہر روز دعوتِ الی اللہ کے پروگرام پر بھی غور وغوض ہو۔ آج کیا کِیا ہے کل کیا کرنا ہے اور دن بدن اسے کیسے آگے بڑھانا ہے۔ایک عہدیدار یہ پروگرام بنائے کہ اُس نے آج بطور عہدیدار دعوت اِلی اللہ کا کیا کام کیا ہے اور کل کیا کرنا ہے۔ ہر جماعتی اور تنظیمی سطح پر وقتاً فوقتاً اِس پر غور وفکر ہو اور نئے جذبے اور ولولے سے دعوتِ الی اللہ کے پروگرام پر کام شروع کیا جائے۔ بچہ ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد، بیمار ہو یا تندرست اُستاد ہو یا شاگرد، پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ سب اِس نیکی سے برابر حصہ پاسکتے ہیں۔ دُعاؤں کے ساتھ کام شروع کرنے کی ضرورت ہے۔اب سوچنے کا وقت نہیں کہ پہلے ہم عالم بنیں گے پھر دعوتِ الی اللہ کریں گے۔علم حاصل کرنے کی جدوجہد ہم جاری رکھیں گے مگر سچائی کے پیغام کو بھی پھیلاتے رہیں گے۔ یہ سچ ہے کہ جتنا زیادہ کوئی متقی ہوگا اُتنا ہی اُس کی بات کا زیادہ اثر ہوگا۔ لیکن دعوتِ الی اللہ کرنے کے لئے تقویٰ کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا گیا۔ ہم تقویٰ کے جس بھی معیار پر ہیں ہم پر دعوتِ الی اللہ فرض ہے۔ ہاں تقویٰ میں ترقی کرنے کی جدو جہد مرتے دم تک جاری رکھیں گے۔ اِن سب باتوں کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کو داعی اِلی اللہ بننا ہے۔ دعوت اِلی اللہ کی ذمہ داری صرف چند داعیان پر نہیں بلکہ ہم سب پر ہے۔ ساری دُنیا کو حقیقی اسلام سے روشناس کرانا کوئی معمولی کام نہیں جسے چند ایک لوگوں پر چھوڑ کر ہم یہ خواب دیکھتے رہیں کہ ساری دُنیا جلد ہی احمدیت کی آغوش میں آجائے گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے بڑی بے قراری سے اِس خواہش کا بارہا اظہار فرمایا تھا۔ کہ ہر احمدی داعی اِلی اللہ بن جائے۔ ذیل میں حضورؒ کے خطبات کے اقتباسات پیش ہیں۔ آپ نے خطبہ جمعہ 25 فروری 1983ء میں فرمایا:۔

’’پس میں تمام احباب جماعت کو توجہ دِلاتا ہوں کہ تمام دُنیا کے انسانوں کو خدائے حیّ وقیّوم کی طرف بُلائیں۔ مشرق کو بھی بُلائیں اور مغرب کو بھی بُلائیں، کالے کو بھی بُلائیں اور گورے کو بھی بُلائیں، عیسائی کو بھی بُلائیں اور ہندو کو بھی بُلائیں، بھٹکے ہوئے لوگوں کو بھی بلائیں اور دہریوں کو بھی بُلائیں مشرقی بلاک کو بھی بُلانا آج آپ کے سپرد ہے مغربی بلاک کو بھی بُلانا آج آپ کے ذمہ لگایا گیا ہے۔ یہ آپ ہی ہیں جنہوں نے دُنیا کو موت کے بدلہ زندگی بخشنی ہے۔ اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو مرنے والے مرجائیں گے اور اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔ اِس لئے اے محمدؐ کے غلامو! اور اے دینِ محمد ﷺ کے متوالو! اب اس خیال کو چھوڑ دو کہ تم کیا کرتے ہو اور تمہارے ذمہ کیا کام لگائے گئے ہیں۔ **تم میں سے ہر ایک داعی ہے اور خُدا تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوگا۔** تمہارا کوئی بھی پیشہ ہو، کوئی بھی تمہارا کام ہو، دُنیا کے کسی خطہ میں بس رہے ہو، کسی قوم سے تمہارا تعلق ہو، تمہارا اوّلین فرض یہ ہے کہ دُنیا کو مُحمدؐ کے رب کی طرف بُلاؤ اور اُن کے اندھیروں کو نور میں بدل دو، اُن کی موت کو زندگی بخش دو، اللہ کرے ایسا ہی ہو۔‘‘ پھر خطبہ جمعہ 4 مارچ 1983ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

’’میں بار بار اعلان کر رہا ہوں کہ داعی اِلی اللہ بنو۔ دُنیا کو نجات کی طرف بُلاؤ۔ دُنیا کو اپنے رب کی طرف بُلاؤ۔ ورنہ اگر بے خُدا انسان کے ہاتھ میں دوسروں کی تقدیر چلی جائے تو اُن کی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ پس ہر احمدی بلا استثناء داعی بنے۔ وہ وقت گزر گیا جب چند داعیان پر انحصار کیا جاتا تھا۔ اب تو بچوں کو بھی داعی بننا پڑے گا، بوڑھوں کو بھی داعی بننا پڑے گا، یہاں تک کہ بستر پر لیٹے ہوئے بیماروں کو بھی داعی بننا پڑے گا۔ اور کچھ نہیں وہ دُعاؤں کے ذریعہ دعوت کے جہاد میں شامل ہو سکتے ہیں۔ دِن رات اللہ سے گریہ وزاری کر سکتے ہیں، کہ اے خُدا! ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم چل پھر کر دعوت دے سکیں اِس لئے بستر پر لیٹے لیٹے تجھ سے التجاء کرتے ہیں کہ تو دِلوں کو بدل دے اور ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ لیں اور اِس جذبے کے ساتھ کام شروع کردیں۔ تو مجھے یقین ہے کہ دُنیا کی ہلاکت کی تقدیر اللہ کے فضل سے ٹل جائے گی۔‘‘

حضور رحمہ اللہ کے مندرجہ بالا ارشاد کو پڑھ کر یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کو داعی اِلی اللہ بننا ہے۔ اور کل نہیں آج ہی بننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی انعام پانے والی جماعتوں کی یہ نشانی ہے کہ جب خُدا کا رسول یا اُس کا خلیفہ اُنہیں جس بات کا حکم دیتا ہے اُس پر وہ لبیک لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے ہماری خاطر دُعائیں کرتے اور روتے روتے اپنی راتیں بسر کیں ہر احمدی کی تکلیف اُن کے دِل تک پہنچی۔ ہر احمدی کی مشکل نے اُنہیں غمگین کیا۔ اُن کے ہم پر بے شمار احسانات ہیں۔ اُن کا سب سے بڑا مشن دعوت الی اللہ تھا۔ اگر ہم اُن کے لئے دُعاؤں کے ساتھ اُن کے ارشاد کی تعمیل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آج بھی یہ عہد کرلیں کہ ہم نے اب ضرور داعی اِلی اللہ بننا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم خُدا تعالیٰ کی رضا بھی حاصل کرنے والے ہونگے۔ اور حضور رحمہ اللہ کی روح کو بھی ہمارے اِس فعل سے ضرور تسکین حاصل ہوگی۔ جبکہ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی یہ بہت ہی خوبصورت تحفہ ہوگا۔

یہ مضمون چونکہ انصار اللہ کے ترجمان رسالہ کے لئے لکھا جا رہا ہے اِس لئے **بالخصوص تمام ناصر بھائیوں سے گزارش ہے کہ ہم نے زندگی کا بیشتر حصہ اِس دیارِ فانی میں گزار دیا ہے۔ آئیں ہم سوچیں کہ دعوت اِلی اللہ کا فرض کس حد تک ہم نے ادا کیا ہے۔** کیا ہمارا دِل مطمئن ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو پوری طرح ہم نے اِس نیکی کے لئے استعمال کیا ہے۔ اگر نہیں تو پھر آج سے ہم عہد کریں کہ زندگی کے باقی ایام اِس کوشش میں گزاریں گے۔ کہ کسی نہ کسی رنگ میں دعوت اِلی اللہ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والے بن جائیں۔

اکثر انصار گھر میں سربراہ اور نگران کا مقام رکھتے ہیں اِسلئے اپنے اہل وعیال کو اِس عظیم نیکی کی راہ پر چلانے میں بڑا مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں۔ آخر میں یہ عاجزانہ دُعا ہے کہ اے اللہ تو ہمیں ہمت اور طاقت عطا فرما کہ ہم اِس نیکی کو احسن رنگ میں ادا کرنے والے ہوں اور جہاں تک دلوں کو بدلنے کی بات ہے۔ تو اپنے کرم سے اپنے مسیح آخر الزماں کی یہ درد بھری دُعا قبول فرما ؎

اِن دِلوں کو خود بدل دے اے میرے قادر خُدا☆ تو رب العالمین ہے اور سب کا شہر یار

تجدید بیعت اور ہماری ذمہ داریاں

مکرم فائز محی الدین قریشی ۔ٹورنٹو ایسٹ

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ
فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی
نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ
اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۱﴾ (سورۃ الفتح آیت ۱۱)

ترجمہ: یقیناً جولوگ تیری **بیعت** کرتے ہیں وہ اللہ ہی کی **بیعت** کرتے ہیں۔ پس جو کوئی عہد توڑے تو وہ اپنے ہی مفاد کے خلاف عہد توڑتا ہے اور جو اس عہد کو پورا کرے جو اس نے اللہ سے باندھا تو یقیناً وہ اسے بہت بڑا اجر عطا کرے گا۔

(ترجمہ از ترجمۃ القرآن: حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ)

مندرجہ بالا آیات کریمہ عہد **بیعت** کی حقیقت بیان کرتی ہیں۔ عہد **بیعت** جو کہ بظاہر اللہ کے رسول کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہ درحقیقت اللہ کے ساتھ کیا جا رہا ہوتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں انسان اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے اور اگر انسان اس عہد سے روگردانی کرے تو وہ اللہ کی حفاظت سے نکل جاتا ہے۔ اور اپنا بہت بڑا نقصان کر لیتا ہے۔ اور جو انسان اپنے عہد کو پورا کرتا ہے وہ ایک اجر عظیم پاتا ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ **بیعت** کیا ہے۔ **بیعت** کا لفظ بیع سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے بیچنا۔ **بیعت** کے لغوی معنے ہیں عہد، اطاعت۔ جب کوئی **بیعت** کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے مطاع (یعنی جسکی اطاعت کی جائے) کے ہاتھوں بیچ دیتا ہے۔ جیسے بیچی ہوئی چیز پر انسان کا اختیار ختم ہو جاتا ہے ویسے ہی **بیعت** کرنے والے کا خود اپنے آپ پر اختیار ختم ہو جاتا ہے اور وہ کلی طور پر اپنے مطاع کے اختیار میں چلا جاتا ہے۔ اس حقیقت کو اگر اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے تو **بیعت** کے نتیجے میں جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں انہیں سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

امام آخرالزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''بیعت میں عظیم الشان بات توبہ ہے۔ جس کے معنے رجوع کے ہیں۔ توبہ اس حالت کا نام ہے کہ انسان اپنے معاصی سے جن سے اس کے تعلقات بڑھے ہوئے ہیں اور اس نے اپنا وطن انہیں مقرر کر لیا ہوا ہے گویا کہ گناہ میں اس نے بود و باش مقرر کر لی ہوئی ہے۔ تو توبہ کے یہ معنے ہیں کہ اس وطن کو چھوڑنا۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۲)

غرضیکہ **بیعت** کے نتیجہ میں سب سے بڑی اور بنیادی ذمہ داری جو عائد ہوتی ہے وہ گناہوں سے توبہ اور اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے کی ہے۔ **بیعت** کے بعد اگر انسان گناہوں سے قطع تعلق نہیں کرتا تو وہ **بیعت** کا حق ادا نہیں کرتا۔

فی زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلیفہ کی **بیعت** درحقیقت حضرت مسیح موعودؑ کی **بیعت** ہے۔ جو اصدق الصادقین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زمانہ کی پیش گوئیوں کے عین مطابق بگڑے ہوئے عقائد کی اصلاح کیلئے آئے۔ گویا حضرت مسیح موعودؑ کی **بیعت** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی **بیعت** ہے۔ اور جو رسول کریمؐ کی **بیعت** کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے عہد باندھتا ہے اور اس طرح خلیفہ سے باندھا ہوا عہد خدا تک پہنچتا ہے۔ خلیفۂ وقت کی **بیعت** کے نتیجے میں ایک اہم اور بنیادی ذمہ داری جو عائد ہوتی ہے وہ اطاعت اور وفاداری ہے۔ خلیفۂ وقت کے ہر حکم کی بشاشت دل سے فرمانبرداری کرنا ہر احمدی پر فرض ہے۔ یہ نہیں کہ جو حکم مرضی کے موافق ہوا وہ تو مان لیا اور جو مرضی کے خلاف ہوا وہ نہ مانا۔ یہ امر **بیعت** کی روح کے خلاف ہے۔ اپنی مرضی، خواہش اور مفاد کے خلاف حکم کی تعمیل کرنا ہی **بیعت** کا حق ادا کرنا ہے۔ اپنی مرضی کے موافق حکم تو ہر کوئی آسانی سے مان لیتا ہے مگر اپنی طبیعت کے خلاف حکم ماننا بڑا مشکل، بھاری اور کٹھن کام ہے۔ یہ کٹھن منزل کیسے آسان ہو سکتی ہے۔ اس کٹھن منزل کو آسان کرنے کا ایک راستہ خلیفۂ وقت سے للّٰہی محبت ہے۔ اگر خلیفۂ وقت کی محبت دل میں پیدا ہو جائے تو ان کے ہر حکم کی بشاشت دل سے تعمیل ہو سکے گی۔

ایک اور اہم ذمہ داری جو ہم پر عائد ہوتی ہے وہ نظام خلافت کی حفاظت اور اس کا استحکام ہے۔ ہمیں اس بات کے لئے ہر وقت کوشاں رہنا چاہئے کہ نظام خلافت مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جائے۔ اسلام اور احمدیت کی تمام تر ترقیات خلافت سے وابستہ ہیں۔ اسی مقصد کیلئے ہم سب کو معاندین، منافقین اور حاسدین کی ریشہ دوانیوں اور ناپاک منصوبوں کو ہمیشہ کی طرح ناکام و نامراد بنانے کی خاطر ہمہ وقت بیدار مغزی کے ساتھ چوکس رہنا چاہیئے۔ ایک اور ذمہ داری جو ہم پر عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنی اولادوں کو نظام خلافت سے وابستہ کریں۔ کیونکہ ہمارے بعد نظام خلافت کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے ہاتھوں میں ہوگی۔ ہمیں چاہئے کہ نظام خلافت کی اہمیت سے ان کو روشناس کرواتے رہیں اگر نظام خلافت کی قدر و قیمت ان پر واضح ہو جائے گی تو وہ خود بخود اس کی حفاظت کریں گے۔ اس ضمن میں اپنی اولاد کو جماعتی پروگراموں میں شامل کرنا بہترین طریق ہے۔ اسی طرح ایم ٹی اے (مسلم ٹی وی احمدیہ) پر حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبات و ارشادات سننا بھی خلافت اور نظام جماعت سے وابستہ رکھنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے جو دس شرائط بیعت مقرر فرمائی ہیں ان پر حتی المقدور عمل کرنے کی کوشش کرنا اور اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق بسر کرنا ہر احمدی کی ذمہ داری ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

برصغیر پاک و ہند میں جلسہ ہائے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز

معاشرتی امن وسلامتی کے قیام کے لئے مستحسن اقدام

مرتبہ: مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب ۔ ربوہ

برصغیر کی مذہبی تاریخ میں ۱۹۲۸ء کا سال بڑی اہمیت رکھتا ہے جب کہ اس سال جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں کا آغاز کیا۔ اس کا پس منظر یوں ہے کہ آپ کے دل میں ۱۹۲۸ء میں اس وقت تحریک پیدا ہوئی کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسے منعقد کرنے چاہئیں جب کچھ متعصب ہندوؤں کی طرف سے کتاب ''رنگیلا رسول'' اور رسالہ ''ورتمان'' میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کی گئیں۔ جس کے نتیجہ میں ملک بھر میں فرقہ وارانہ کشیدگی نہایت خطرناک شکل اختیار کر گئی۔ اس مرحلہ پر حضرت امام جماعت احمدیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس وحرمت کے لئے ملکی سطح پر ایک کامیاب مہم شروع فرمائی۔ اخبار مشرق (گورکھپور) نے ''حضرت امام جماعت احمدیہ کے احسانات'' کے عنوان سے درج ذیل نوٹ شائع کیا۔

''جناب امام صاحب جماعت احمدیہ کے احسانات تمام مسلمانوں پر ہیں۔ آپ ہی کی تحریک سے ''ورتمان'' پر مقدمہ چلایا گیا۔ آپ ہی کی جماعت نے ''رنگیلا رسول'' کے معاملہ کو آگے بڑھایا۔ سرفروشی کی۔ جیل خانہ جانے سے خوف نہیں کھایا۔ آپ ہی کے پمفلٹ نے جناب گورنر صاحب بہادر پنجاب کو انصاف و عدل کی طرف مائل کیا''

(اخبار ''مشرق'' گورکھپور یکم ستمبر ۱۹۲۷ء بحوالہ جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات صفحہ ۵۷۔۵۸)

حضرت امام جماعت احمدیہ کے دل میں شدت سے یہ احساس پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کے حالات اور انسانیت پر آپ کے احسانات کا تذکرہ ملک کے گوشہ گوشہ میں ہونا چاہئے۔ اسی خیال کی بنا پر آپ نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ۔

''..........لوگوں کو آپ پر حملہ کرنے کی جرأت اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ آپ کی زندگی کے صحیح حالات سے ناواقف ہیں۔ یا اسی لئے کہ وہ سمجھتے ہیں دوسرے لوگ ناواقف ہیں اور اس کا ایک ہی علاج ہے۔ جو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح پر اس کثرت سے اور اس قدر زور کے ساتھ لیکچر دیئے جائیں کہ ہندوستان کا بچہ بچہ آپ کے حالات زندگی اور آپؐ کی پاکیزگی سے آگاہ ہو جائے..........''

(اخبار الفضل، قادیان ۔۱۰ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۔۲)

نیز فرمایا:۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان وجودوں میں سے ہیں جن کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے کہ ع آفتاب آمد دلیل آفتاب

سورج کے چڑھنے کی دلیل کیا ہے؟ یہ کہ سورج چڑھا ہوا ہے کوئی پوچھے اس بات کی کیا دلیل ہے کہ سورج چڑھا ہوا ہے تو اسے کہا جائے گا۔ دیکھ لو سورج چڑھا ہوا ہے۔ تو کئی ایسے وجود ہوتے ہیں کہ ان کی ذات ہی ان کا ثبوت ہوتی ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مستودہ صفات انہی وجودوں میں سے ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اس وقت تک جو انسان پیدا ہوئے یا آئندہ پیدا ہوں گے وہ سب کے سب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نیچے ہیں اور آپؐ سب پر فوقیت رکھتے ہیں..........''

(الفضل ۴ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵)

ایک وسیع پروگرام: اس اہم قومی وملی مقصد کی تکمیل کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک وسیع پروگرام تجویز فرمایا جس کے چند اہم پہلو مندرجہ ذیل تھے:۔

اول۔ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس سوانح میں سے بعض اہم پہلوؤں کو منتخب کر کے ان پر خاص طور سے روشنی ڈالی جائے۔ ۱۹۲۸ء کے پہلے ''سیرت النبی'' کے جلسے کے لئے آپ نے تین عنوانات تجویز فرمائے (۱) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنی نوع انسان کے لئے قربانیاں (۲) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی (۳) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا پر احسانات۔

دوم۔ ان مضامین پر لیکچر دینے کے لئے آپ نے سالانہ جلسہ ۱۹۲۷ء پر ایسے ایک ہزار فدائیوں کا مطالبہ کیا۔ جو لیکچر دینے کیلئے آگے آئیں تا انہیں مضامین کی تیاری کے لئے ہدایات دی جاسکیں اور وہ لیکچروں کے لئے تیار کئے جاسکیں۔ جلسوں کے اثرات سے قطع نظر صرف یہی بہت بڑا اور غیر معمولی کام تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر روشنی ڈالنے والے ہزار لیکچرار تیار کر دیئے جائیں۔

سوم۔ سیرت النبیؐ پر تقریر کرنے کے لئے آپ نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات سب دنیا پر ہیں اس لئے مسلمانوں کے علاوہ وہ لوگ جن کو ابھی تک یہ توفیق تو نہیں ملی کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تعلق کو محسوس کر سکیں جو آپ کو خدا تعالیٰ کے ساتھ تھا مگر وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ نے اپنی قربانیوں سے بنی نوع انسان پر بہت احسان کئے ہیں وہ بھی اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں ان کی زبانی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا ذکر زیادہ دلچسپ اور زیادہ پیارا معلوم ہو گا......''

(الفضل ۱۰ جنوری ۱۹۲۸ء صفحہ ۲)

چہارم۔ ''.........سیرت رسولؐ کے موضوع سے وابستگی کا شوق پیدا کرنے کے لئے یہ اعلان کیا گیا کہ جوان جلسوں میں تقریریں کرنے کی تیاری کریں گے اور اپنے مضامین ارسال کریں گے ان میں سے اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کو علی الترتیب سو، پچاس اور پچیس روپے کے نقد انعامات بھی دیئے جائیں گے۔''

(الفضل ۵ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۱)

حضورؓ نے اس عظیم الشان پروگرام کے شایانِ شان جماعتِ احمدیہ مسلمہ کو تیاری کی طرف بار بار توجہ دلائی اور اس بارے میں کئی اہم مشورے دیئے مثلاً اصل جلسوں کی اہمیت بتانے کے لئے مختلف موقعوں پر مختلف محلوں میں جلسے کریں، جلسہ کی صدارت کے لئے بارسوخ اور سربرآوردہ لوگ منتخب کئے جائیں............''

(الفضل ۴ مئی ۱۹۲۸ء صفحہ ۷۔۸)

''اس ضمن میں مشکل ترین کام یہ تھا کہ ملک کے عرض و طول میں تقریر کرنے والے ایک ہزار لیکچرار مہیا اور تیار کئے جائیں۔ شروع شروع میں یہ کام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری کے سپرد فرمایا مگر ۱۴ مارچ ۱۹۲۸ء کو اس کی نگرانی........ چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے کے سپرد فرمادی۔''

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۹ء صفحہ ۲۰۵)

''.......حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد پر ادارہ ''الفضل'' نے پانچ روز قبل ۱۲ جون ۱۹۲۸ء کو ۲۷ صفحات پر مشتمل نہایت شاندار ''خاتم النبیینؐ نمبر'' شائع کیا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور دوسرے ممتاز بزرگانِ احمدیت و علماء سلسلہ اور احمدی مستورات کے علاوہ بعض مشہور غیر احمدی زعماء اور غیر مسلم اصحاب کے نہایت بلند پایہ مضامین تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں متعدد نعتیں بھی شامل اشاعت تھیں جن میں سے حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کا 'سلام بحضور سید الانامؐ' اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی نظم بعنوان ''پاک محمد مصطفیٰؐ نبیوں کا سردار'' کو اپنوں اور بیگانوں میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ ''خاتم النبیینؐ نمبر'' سات ہزار چھاپا گیا۔ جو چند روز میں ختم ہو گیا اور چند دوستوں کے اشتیاق پر دوبارہ شائع کیا گیا۔'' (تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۴۴۔۵۴)

جلسوں کا روح پرور نظارہ: ہندوستان کے طول و عرض میں ۱۷ جون کو نہایت تزک و احتشام سے یوم سیرت النبیؐ منایا گیا اور نہایت شاندار جلسے منعقد کئے گئے۔ ایک ہی سٹیج پر ہر فرقہ کے لوگوں نے سیرت رسولؐ پر تقریریں کیں اور اپنے دلی جذبات کا اظہار کیا۔ مرکز احمدیت قادیان سے قریباً پچاس کے قریب لیکچرار ملک کے مختلف جلسوں میں شامل ہوئے۔ لکھنؤ کے جلسہ سیرتؐ میں حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کی تقریر کو بہت پسند کیا گیا جس پر اخبار ''مخبر'' اودھ ۲۶ جون ۱۹۲۸ء نے شاندار تبصرہ کیا۔

اپنے دوستوں کے علاوہ ہندو، سکھ، عیسائی، جینی اصحاب نے بھی سیرت رسولؐ کا نہایت احسن رنگ میں ذکر کیا۔ یہ لوگ نہ صرف بخوشی ان جلسوں میں شامل ہوئے بلکہ کئی مقامات پر انہوں نے ان جلسوں کے انعقاد میں بڑی مدد بھی دی۔

(تاریخ احمدیت جلد ۶ صفحہ ۴۷۔۴۸)

اخبارات کے تبصرے: ان جلسہ ہائے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار کامیابیوں پر اخبارات نے غیر معمولی تبصرے لکھے۔ مثلاً:۔

(۱) اخبار مشرق گورکھپور (۲۱ جون ۱۹۲۸ء) نے لکھا:۔

''ہندوستان میں یہ تاریخ ہمیشہ زندہ رہے گی۔ اس لئے کہ اس تاریخ میں اعلیٰ حضرت آقائے دو جہاں سردار کون و مکاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر کسی نہ کسی پیرایہ میں مسلمانوں کے ہر فرقہ نے کیا۔ اور ہر شہر میں یہ کوشش کی گئی کہ اول درجے پر ہمارا شہر رہے........جن اصحاب نے اس موقعہ پر تفرقہ و فتنہ پردازی کے لئے پوسٹر لکھے اور تقریریں لکھ کر ہمارے پاس بھیجیں وہ بہت احمق ہیں جو ہمارے عقیدے سے واقف نہیں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ** پر ایمان رکھے وہ ناجی ہے بہر حال ۱۷ جون کو جلسے کی کامیابی پر ہم امام جماعت احمدیہ جناب مرزا محمود احمد صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں اگر شیعہ و سنی اور احمدی اسی طرح سال بھر میں دو چار مرتبہ ایک جگہ جمع ہو جایا کریں گے تو پھر کوئی قوت اسلام کا مقابلہ اس ملک میں نہیں کر سکتی۔''

(بحوالہ الفضل ۲۹ جون ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۶)

(۲) ''مخبر'' اودھ نے ''انسان اعظم حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر شاندار لیکچر'' اور ''ہندوستان میں جلسے'' کے دوہرے عنوان سے ایک مفصل مضمون شائع کیا جس میں لکھا:۔

''دور حاضر........ میں جماعت احمدیہ ایک پُر جوش جماعت ہے جس کے زبردست لیکچروں کی آواز یورپ سے امریکہ تک گونج رہی ہے اور یہ ہر موقع پر معترضین........ کی تسلی کرنے کو آمادہ رہی ہے اس طبقہ نے بحث و مباحثہ کے ضمن میں بہترین خدمات انجام دی ہیں اور علمِ کلام میں جو عظیم الشان تبدیلیاں پیدا کی ہیں ان سے کسی انصاف پسند کو انکار نہیں .... جماعت احمدیہ نے اس بات کا بیڑہ اٹھایا کہ ۱۷ جون کو ہندوستان کے ہر حصہ میں مسلمانوں کے عام جلسے کئے جائیں۔ جن میں آنحضرتؐ کی سیرتِ مبارک پر شاندار لیکچروں کا سلسلہ شروع ہو اور اس میں نہ صرف ہر فرقہ...... کے ممتاز افراد شریک ہوں بلکہ غیر مذاہب کے اشخاص کو بھی دعوت دی جائے..........

۱۷ جون کو ہندوستان کے مشہور مقامات پر جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام شاندار جلسے ہوئے کلکتہ کے جلسہ میں اینگلو انڈین طبقہ کے معزز ممبر ڈاکٹر مورینو صاحب نے شریک ہو کر اس کے اغراض پر شادمانی کا اظہار کیا۔ بابو بپن چندر پال نے بھی اپنی تقریر میں اس کے مقاصد کو بہترین قرار دیا اور وعدہ کیا کہ وہ اسے کامیاب بنانے میں کوشاں ہوں گے۔ لاہور میں سر عبدالقادر صاحب کے زیر صدارت جلسہ ہوا جس میں پروفیسر بہاری لال اور لالہ امر ناتھ صاحب ایڈووکیٹ نے آنحضرتؐ کی خوبیاں بیان کیں.........''

(بحوالہ الفضل ۳ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹)

(۳) کلکتہ کے ایک بنگالی اخبار ”سلطان“ ۲۱ جون نے لکھا۔

”جماعت احمدیہ نے ۱۷ جون کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت بیان کرنے کے لئے ہندوستان بھر میں جلسے منعقد کئے ہمیں اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ تقریباً سب جگہ کامیاب جلسے ہوئے اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ اس نواح میں احمدیوں کو ایسی عظیم الشان کامیابی ہوئی ہے کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوئی...“

(بحوالہ الفضل ۶ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹)

(۴) اخبار ”کشمیری“ لاہور ۲۸ جون ۱۹۲۸ء نے ”۱۷ جون کی شام“ کے عنوان سے یہ تبصرہ شائع کیا:۔

”مرزا بشیر الدین محمود احمد جماعت احمدیہ قادیان کے خلیفۃ المسیح کی یہ تجویز کہ ۱۷ جون کو آنحضرتؐ کی پاک سیرت پر ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں لیکچر اور وعظ کئے جائیں باوجود اختلافاتِ عقائد کے نہ صرف مسلمانوں میں یہ مقبول ہوئی بلکہ بے تعصب امن پسند صلح جو غیر مسلم اصحاب نے ۱۷ جون کے جلسوں میں عملی طور پر حصہ لے کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ ۱۷ جون کی شام کیسی مبارک شام تھی کہ ہندوستان کے ایک ہزار سے زیادہ مقامات پر بہ یک وقت وبہ یک ساعت ہمارے برگزیدہ رسولؐ کی حیات اقدس ان کی عظمت ان کے احسانات و اخلاق اور ان کی سبق آموز تعلیم پر ہندو، مسلمان اور سکھ اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ اگر اس قسم کے لیکچروں کا سلسلہ برابر جاری رکھا جائے تو مذہبی تنازعات و فسادات کا فوراً انسداد ہو جائے.........“

(بحوالہ اخبار الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۱)

(۵) ”اردو اخبار“ ناگپور ۵ جولائی ۱۹۲۸ء نے ”جماعت احمدیہ کی قابل قدر خدمات“ کی سرخی دے کر مندرجہ ذیل نوٹ لکھا:

”جماعت احمدیہ ایک عرصہ سے جس سرگرمی سے......... خدمات بجالا رہی ہے وہ اپنے زریں کارناموں کی بدولت محتاج بیان نہیں ہے......... پچھلے دنوں اس کی یہ تحریک کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ۱۷ جون کو ہندوستان کے ہر مقام پر عام مجمع میں جس میں مسلم و غیر مسلم دونوں شامل ہوں تقریریں کی جائیں اور جس کے لئے اس نے صرف تحریک ہی پیش نہیں کی بلکہ صدہا روپے بھی خرچ کر کے مقررین کے لئے ہزارہا کی تعداد میں لیکچر طبع کرا کر مفت تقسیم کئے......... ہم اس شاندار کامیابی پر حضرت امام جماعت احمدیہ مدظلہ، کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ آپ کی اس مبارک تحریک نے مسلمانوں کے قدیم فرقوں کو ایک مرکز پر کھڑا کر کے اتحاد کا عجیب و غریب سبق دیا ہے۔“

(بحوالہ الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۹)

(۶) اخبار ”پیشوا“ دہلی ۸ جولائی ۱۹۲۸ء نے ۱۷ جون کے جلسوں کی کامیابی پر خوشی اور اس کے مخالفین پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:۔

”۱۷ جون کو قادیانی جماعت کے زیر اہتمام تمام ہندوستان میں فخر کائنات کی سیرت پر ہندوستان کے ہر خیال اور ہر طبقہ کے باشندوں نے لیکچر دیئے اور خوشی کا مقام ہے کہ مسلمان اخبارات نے سوائے زمیندار اور الجمعیت اور الانصار کے متفقہ طور سے ان جلسوں کی کامیابی میں حصہ لیا......“

(بحوالہ الفضل ۱۷ جولائی ۱۹۲۸ء صفحہ ۵)

جماعت احمدیہ کے ذریعہ باقاعدہ اور منظم جلسہ ہائے سیرت النبی کا انعقاد انفرادی اور اجتماعی سطح پر نہایت ہی مفید اور مبارک ثابت ہوا۔ حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے امن و آشتی کے پیام سے باہمی نفرت زائل ہونے لگی اور حقیقت میں یہ احساس اُجاگر ہوا کہ ہمارے اخلاق و کردار کی اصلاح سیرت مقدسہ سے وابستہ ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ انصار اللہ ربوہ جون ۲۰۰۱ء)

اسوۂ خیر الانامؐ

اک واقفِ رُموز سے میں نے کہا کہ آج — واعظ ہے دیں شناس نہ صُوفی خُدا شناس
گر دِل سقیم ہوں تو کریں کس طرف رجوع — اور رُوح ہو مریض تو لیجائیں کس کے پاس
چشمے تمام خشک ہوئے علم و ذوق کے — حالانکہ ہے جہاں کو مئے معرفت کی پیاس
واعظ ہے ہرزہ گرد تو صُوفی گریز پا — ویران مسجدیں ہیں تو ہیں زاویے اُداس

آخر یہ قلب و رُوح کے بیمار کیا کریں
تُو ہی بتا کہ حق کے طلبگار کیا کریں

سُن کر کہا یہ ہمدم روشن ضمیر نے — اے وہ کہ تجھ کو چشمۂ عرفاں کی ہے تلاش
صوفی ہے حق پرست نہ واعظ خدا پرست — دونوں غرض پرست ہیں دونوں صنم تراش
دین مبیں کی راہ میں پتھر بنے ہیں یہ — اِن پتھروں سے شیشۂ ایماں ہے پاش پاش
آ میں تجھے دکھاؤں رہِ مستقیم حق — علم و عمل کا آج کروں تجھ پہ راز فاش

روشن ہے شمعِ علم خُدا کے کلام میں
نورِ عمل ہے اُسوۂ خیرالانامؐ میں

مولانا عبدالمجید سالکؔ (ایڈیٹر۔ انقلاب)

مضمون نگار حضرات سے گزارش

۱۔ اپنے مضامین کاغذ کے ایک طرف، ایک سطر چھوڑ کر اور دونوں طرف مناسب حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔

۲۔ قرآن کریم، احادیث اور کتب کے اقتباسات کا حوالہ بھی ضرور لکھا جائے۔

۳۔ مضامین پر اپنا نام مجلس اور فون نمبر بھی تحریر کر دیا جائے۔

(ادارہ)

مکرم شیخ خورشید احمد (سابق نائب ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ)

ربوہ (دارالہجرت) کی تعمیر۔ حضرت مصلح موعودؓ کا ایک عظیم کارنامہ

﴿سالانہ اجتماع انصار اللہ کے موقع پر پڑھا گیا﴾

میں اس وقت پاکستان میں جماعتِ احمدیہ کے مرکز ''ربوہ'' کی زمین کی خرید اور آبادی کے کچھ ابتدائی حالات تحریر کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ بہت سے احباب کو ان کا علم نہیں ہوگا۔ ربوہ کی تعمیر حضرت مصلح موعودؓ کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی برکات کے پھل ہم آج بھی کھا رہے ہیں...... آج سے ستاون برس قبل جماعت احمدیہ کو اپنے دائمی مرکز قادیان کو مجبوراً چھوڑنا پڑا اور پاکستان میں ہجرت کرنا پڑی۔ قادیان سے انخلاء اور جماعت کو ایک خاص تنظیم اور حفاظت کے ساتھ پاکستان لانا بھی حضرت مصلح موعودؓ کا ایک عظیم کارنامہ تھا۔ پاکستان آکر پہلے لاکھوں بے خانماں احمدی مہاجرین کی آبادکاری کا بہت مشکل اور کٹھن مرحلہ درپیش تھا۔ اس مسئلہ سے بھی حضور کمال فراست اور عمدگی کے ساتھ عہدہ برا ہوئے۔ اس کے بعد سب سے پہلے حضور کی توجہ جس معاملہ کی طرف ہوئی وہ پاکستان میں جماعت کیلئے نیا مرکز تعمیر کرنا تھا کیونکہ زندہ اور فعال جماعتوں کیلئے ایک مضبوط مرکز کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ حضورؓ نے فوری طور پر اس طرف توجہ کی۔ مرکز کے قیام کے سلسلہ میں مختلف مقامات کے جائزے لیئے گئے۔ دورے کیئے گئے اور تجاویز پیش کی گئیں۔ بالآخر ہجرت کے صرف آٹھ، نو ماہ بعد محترم چوہدری عزیز احمد صاحب باجوہ مرحوم (جو سرگودھا میں سیشن جج تھے) کی تجویز پر وہ اراضی مرکز کے لئے پسند آئی جہاں اب ربوہ تعمیر ہوا ہے۔ حضورؓ نے خود جا کر اس زمین کو ملاحظہ فرمایا اور اسے اپنی اس رویا کے عین مطابق پایا جس میں قادیان سے ہجرت کرنے اور ایک اور جگہ مرکز قائم کرنے کی اطلاع اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھی۔ اس زمین کا کل رقبہ ۱۰۳۴ ایکڑ تھا۔ ایک تحقیق کے مطابق یہ وہ سرزمین ہے جہاں سے محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان کی فتح کے بعد دریائے چناب کو عبور کیا تھا۔ چنانچہ ایک غیر احمدی مصنف ڈاکٹر سید عبدالحمید خان (پی ایچ ڈی) نے اپنی کتاب محمد بن قاسم میں وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ گیارہ جون ۱۹۴۸ء کو دس روپیہ فی ایکڑ کے حساب سے حکومتِ پنجاب سے اس اراضی کا سودا کرلیا گیا۔ اس کی خرید کے سلسلہ میں بھی شدید مشکلات پیش آئیں۔ جماعت کے مخالفین کی طرف سے ہر مرحلہ پر رکاوٹیں ڈالی گئیں مگر حضورؓ کی ہدایت کے مطابق بڑی احتیاط اور حکمت کے ساتھ ان سب مشکلات پر قابو پالیا گیا۔ بالآخر حکومت کی طرف سے ۵ راگست ۱۹۴۸ء کو باضابطہ طور پر اس زمین کا قبضہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے حاصل کرلیا۔ حکومت کی بعض شرائط نامناسب تھیں۔ مثلاً ایک شرط یہ تھی کہ اٹھارہ ماہ کے اندر اس بستی کے کل مکانات تعمیر ہو جائیں حالانکہ اس شرط کو پورا کرنا ناممکن تھا پھر ٹاؤن پلانر نے جو نقشہ تجویز کیا اس میں سینما کیلئے بھی ایک وسیع رقبہ رکھا گیا تھا اور رہائش کیلئے بہت کم رقبہ تجویز کیا گیا تھا۔ بعض اور بھی ناقابلِ عمل شرطیں تھیں۔ بہرحال کافی جدوجہد کے بعد ان نامناسب شرائط کو ہٹایا گیا اور پھر اس اراضی میں آبادی کا کام شروع ہوا۔ اس زمین کے حصول میں حضرت نواب محمد دین صاحب مرحوم ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر و وزیر اعظم ریاست جے پور نے باوجود پیرانہ سالی کے بہت جدوجہد فرمائی۔ ان کی وفات پر حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ ہمارے جدید مرکز کے قیام کا سہرا مرحوم کے سر پر ہے۔ جب تک یہ مرکز قائم رہے گا ان کا نام بطور یادگار دنیا میں لیا جائیگا۔ ۱۹۔ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اس وادی میں آباد ہونے کیلئے جماعت کے دو نمائندے لاہور سے ربوہ پہنچے۔ یہ نمائندے چوہدری عبدالسلام صاحب اختر ایم۔اے (مرحوم) اور چوہدری محمد صدیق صاحب (خلافت لائبریری والے، جو ہمارے نعیم طیب صاحب کے والد ہیں) تھے اور ان کے ساتھ ایک مددگار کارکن، ایک ڈرائیور اور دو مزدور تھے۔ چند خیمے اور چھولداریاں ان کے ساتھ تھیں۔ چوہدری عبدالسلام صاحب اختر مرحوم، جو امیر قافلہ تھے کا بیان ہے'' شام کے سات بجے کے قریب ٹرک جس میں چھولداریاں اور خیمہ جات اور سائبان لدے ہوئے تھے لیکر ہم اس سرزمین پر پہنچے۔ چناب کے پل کے نگران سپاہی اور کچھ راہگیر حیران ہو ہو کر ہمیں دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ یہاں کیا کرنے جا رہے ہیں۔ جب تمام سامان اتارا جا چکا تو ڈرائیور اور مزدوروں کو رخصت کردیا گیا۔ اس وقت میلوں تک علاقہ بالکل ویران اور سنسان حالت میں تھا۔ دائیں طرف بڑی سڑک تھی جس پر شب کو ٹریفک عملاً بند ہو جاتا۔ بائیں طرف ریلوے لائن تھی مگر رات کو یہاں سے کوئی گاڑی نہیں گزرتی تھی۔ دن میں صرف ایک گاڑی آتی اور ایک جاتی تھی۔ میں نے سامان خاص اس جگہ اتارا جو حضورؓ نے تجویز فرمائی تھی۔ اگلے دن حضورؓ بمع خدام کے خود تشریف لانے والے تھے، اسلئے سائبان اور خیمے حضورؓ کی آمد سے قبل نصب کرنے تھے مگر اس جنگل میں پہلی رات کا تصور کچھ خوف اور لذت کی سی کیفیت پیدا کر رہا تھا۔ خوف اس بات کا تھا کہ یہاں کے اکثر دیہاتی لوگوں کے متعلق سنا تھا کہ وہ جانوروں سے کم نہیں۔ پھر اس علاقہ میں سانپ، بچھو، ریچھ اور بعض اوقات بھیڑیا بھی آجاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ نہایت بنجر اور کلر زدہ زمین ہے، یہاں پانی ہی نہیں نکلتا، کئی لوگوں نے اسے آباد کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے ہیں۔ رات بڑھتی جارہی تھی اور ہمارے دلوں کا تموّج بھی بڑھ رہا تھا۔ دس بجے تک اس سنسان اور بے آب و گیاہ وادی میں ہم دونوں کے سوا کوئی انسان نظر نہ آتا تھا...... دفعتاً دور سے ہمیں ایک ہلکی سی روشنی دکھائی دی۔ یہ ہمارے سکول کے تین بچے ایک لالٹین ہاتھ میں لئے ہماری طرف قدم بڑھاتے آرہے تھے۔ یہ سکول عارضی طور پر چنیوٹ میں قائم کیا گیا تھا جبکہ جامعہ احمدیہ احمد نگر میں کھولا گیا تھا (یہ دونوں جگہیں ربوہ کی زمین کے قریب تھیں)، یہ بچے غالباً اپنے استاد کی ہدایت پر احمد نگر سے آئے تھے۔ ان میں سے دو بنگال کے رہنے والے اور ایک سیلون کا رہنے والا اپنے وطن سے ہزاروں میل دور رات کے دس بجے ایک سنسان وادی میں اپنے آقاؓ کے

خدام سے ملنے چلے آرہے تھے۔ جب روشنی آئی تو ہم نے فیصلہ کیا کہ اس زمین پر سب سے پہلا خیمہ بغیر مزدوروں کی مدد کے اپنے ہاتھ سے لگایا جائے۔ چنانچہ میں نے اور مولوی صدیق صاحب نے ایک چھولداری کو درست کیا اور بغیر کسی کی مدد کے اس میدان کے وسط میں یہ چھولداری اپنے ہاتھ سے لگائی۔ یہ خیمہ ربوہ کی سرزمین پر سب سے پہلا خیمہ تھا۔ چونکہ صبح حضورؓ کی تشریف آوری تھی اسلئے سائبانوں اور خیمہ جات کو درست کیا گیا اور انہی کے ڈھیر پر ہم دراز ہوگئے۔ مجھے تو کچھ ہوش نہ رہا مگر مولوی صاحب نے فرمایا دور سے کچھ گیدڑوں اور بھیڑیوں کی آوازیں آتی تھیں۔ اگلے دن لاہور سے کچھ اور مرکزی کارکن آگئے اور انھوں نے ملکر ایک وسیع وعریض شامیانہ نصب کردیا، جو افتتاح کیلئے مخصوص کیا گیا تھا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق حضرت مصلح موعودؓ بذریعہ کار لاہور سے روانہ ہوکر ایک بجکر بیس منٹ پر ربوہ کی سرزمین پر رونق افروز ہوئے۔ حضورؓ کی آمد سے قبل چنیوٹ ، احمد نگر اور لالیاں کے علاوہ سرگودھا، لاہور، قصور، سیالکوٹ، لائل پور، گجرات، گوجرانوالہ، جہلم اور بعض دوسرے اضلاع کے احمدی دوست بھی اس بابرکت تقریب میں شمولیت کیلئے پہنچے ہوئے تھے۔ نماز ظہر تقریباً ڈیڑھ بجے شروع ہوئی جس میں قریباً اڑھائی سو احباب شریک تھے۔ یہ پہلی باجماعت نماز تھی جو حضور کی اقتداء میں اس سرزمین پر پڑھی گئی''

۲۰ ۔ستمبر ۱۹۴۸ء کو حضورؓ نے بڑی دردمندانہ قرآنی دعاؤں کے ساتھ ربوہ کی آبادی کا افتتاح فرمایا۔ پانچ بکروں کی قربانی کی گئی۔ حضورؓ نے اس موقع پر نہایت ایمان افروز تقریر فرمائی، اسمیں حضورؓ نے فرمایا ''ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس جگہ کی تلاش کریں جہاں اسلام کی ترقی کا بیج بو سکیں، ہم نے اسی نیت اور ارادہ سے اس وادیٔ غیر ذی زرع کو چنا ہے، یہاں کوئی فصلیں نہیں، کہیں سبزی کا نشان نہیں۔ گویا چن کر ہم نے وہ مقام لیا ہے جو قطعی طور پر آبادی اور زراعت کے ناقابل سمجھا جاتا ہے۔ میری ایک رویا کے مطابق ہم نے اس جگہ کو چنا ہے.....اللہ تعالیٰ کی منشاء کے ماتحت ہم قادیان سے باہر آئے ہیں اور اسی کے منشاء کے مطابق ہم یہاں ایک نیا مرکز بسانا چاہتے ہیں......ہمارا ارادہ اور ہماری نیت یہی ہے کہ ہم پھر ایک مرکز بنا کر اسلام کے غلبہ اور رسول اللہ ﷺ کے دین کی اشاعت کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام میں ہمارا حامی ومددگار ہو '' (الفضل جلسہ سالانہ نمبر ۱۹۶۴ء)

جب اس نئے مرکز کا نام رکھنے کا مسئلہ زیرِ غور آیا تو مختلف نام تجویز کیے گئے، بالآخر ''ربوہ'' نام رکھنے کا فیصلہ ہوا۔ یہ نام حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب نے تجویز فرمایا اور ہر لحاظ سے نہایت موزوں تھا۔ یہ نام قرآن مجید کی اس آیت کی مناسبت سے رکھا گیا تھا جسمیں حضرت مسیحؑ کی اپنی والدہ سمیت ہجرت کا ذکر ہے۔ ''ربوہ'' کے لغوی معنی ٹیلہ، بلند زمین اور پہاڑی کے ہیں۔

ربوہ کی آبادی کیلئے پانی کی دستیابی کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ ربوہ میں بورنگ کا پہلا تجربہ ایک پہاڑی کے دامن میں کیا گیا۔ کئی دنوں تک کھدائی ہوتی رہی مگر پانی کا نام ونشان نہ ملا۔ مجبوراً دوسری جگہ کھدائی شروع کی مگر چالیس فٹ کی گہرائی پر پہنچ کر بورنگ ٹیوب بھی پھنس گئی، جسکو باہر نکالنے کیلئے ایک اور گڑھا کھودنا پڑا۔ خدا کی قدرت ہے کہ عین اسی وقت حضرت مصلح موعودؓ ربوہ میں تشریف لائے۔ جونہی حضورؓ کے قدم اس زمین پر پڑے تو پھنسی ہوئی نالیوں میں یکایک جنبش پیدا ہوئی اور آن کی آن میں ان کا سراپانی کی سطح پر پہنچ گیا۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا:

''جس دن ہم ربوہ سے واپس چلے (۲۱۔ اپریل ۱۹۴۹ء) مجھ پر ایک غنودگی سی طاری ہوئی۔ اس غنودگی کی حالت میں میں نے دیکھا کہ میں خدا تعالیٰ کو مخاطب کرکے یہ شعر پڑھ رہا ہوں '' ۔

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

اس شعر میں حضور اور جناب دو لفظ اکٹھے کیے گئے ہیں جو عام طور پر اکٹھے استعمال نہیں ہوتے لیکن چونکہ یہاں ادب کا پہلو مراد ہے اسلئے آپ کے لفظ کی بجائے یہاں حضور اور جناب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ بہانے سے مطلب یہ ہے کہ پانی وافر ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ الہام کس رنگ میں پورا ہوگا۔ اب جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں ربوہ میں پانی وافر مقدار میں موجود ہے اور یہ الہام بڑی شان سے پورا ہو رہا ہے۔

ربوہ کا افتتاح کرنے کے بعد حضورؓ نے فیصلہ فرمایا کہ ہر طرح کی بے سروسامانی، موسم کی ناموافقیت اور شدید مشکلات کے باوجود جماعت کا مرکزی سالانہ جلسہ ۱۵ تا ۱۷ ۔ اپریل ۱۹۴۹ء کو ربوہ ہی میں منعقد کیا جائے۔ یہ مثالی جلسہ دنیائے احمدیت میں ایک منفرد اور مخصوص تاریخی عظمت وشان کا حامل تھا۔ حضورؓ کی ہدایت تھی کہ سب دوست بستر، برتن، کھانے کا سامان اور حتی الوسع چھولداریاں بھی ہمراہ لائیں۔ گویا سب آنے والے خود ہی مہمان اور خود ہی میزبان تھے۔ یہ جلسہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے حضورؓ نے فرمایا:

''بہت سی باتوں کو دیکھتے ہوئے میں نے مناسب سمجھا کہ ہم ربوہ کا افتتاح جلسہ سالانہ سے کریں اور اللہ تعالیٰ سے اس مقام کے بابرکت ہونے کیلئے متحدہ طور پر دعائیں کریں......''

ربوہ ان دنوں لق و دق صحرا کا منظر پیش کرتا تھا، آندھیاں اور جھکڑ ہر وقت چلتے تھے، پانی اور سبزہ کا دور دور تک نام ونشان تک نہ تھا، مگر ایسی حالت میں بھی اولوالعزم محمودؓ کی ولولہ انگیز قیادت میں یہ جلسہ سالانہ خدا تعالیٰ کے فضل سے غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔ ہزارہا احباب اور خواتین نے اس میں شامل ہونے کی سعادت پائی۔ بظاہر بالکل بے سروسامانی کے باوجود احبابِ جماعت کے تعاون سے اس جلسہ کے جملہ انتظامات کیے گئے۔ رہائش، پانی کی فراہمی، کچی بیرکوں کی تعمیر اور لنگر خانوں کے انتظامات کیے گئے۔ یہ ایک نہایت ہی ایمان افروز داستان ہے جسکی تفصیل یہاں بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ اس جلسہ کے ساتھ ربوہ کی آبادی کا آغاز ہوا۔ ربوہ جس کا آغاز کچی بیرکوں اور مکانات سے ہوا وہاں آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر طرف

چہل پہل ہے،سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے، مساجد،عمارتیں ،کوٹھیاں نظر آرہی ہیں او ر دنیا جہان کی نعمتیں وہاں میسر ہیں۔

۷۔دسمبر ۱۹۴۸ء کو پہاڑی کے دامن میں ربوہ کی پہلی عارضی کچی عمارت کی تعمیر ہوئی تھی،جس کی بنیادحضرت مسیح موعودؑ کے مقرب صحابی حضرت مفتی محمد صادقؓ نے دعاؤں کے ساتھ رکھی تھی۔ یہ پہلی عمارت سات کمروں پر مشتمل تھی۔ جب ربوہ میں آبادی کا آغاز ہواتو سب سے پہلے صدرانجمن احمدیہ کے ملازمین اور انکے اہل و عیال کووہاں بھجوایا گیا۔حضرت مصلح موعودؓ مکانات کی تعمیر کیلئے تفصیلی ہدایات دیا کرتے تھے،چند ایک ہدایات یہ تھیں:

ا۔ایک شخص چنیوٹ جائے اور وہاں جاکر دیکھے کہ Huts بن سکتے ہیں، سرکنڈا، بانس، چٹائیاں اور اینٹیں مل سکتی ہیں اورکس قیمت پرملیں گی ۔۲۔عمارتی بانس کیلئے لاہور، سانگلا ہل اور سرگودھامیں کوشش کی جائے۔۳۔معلوم کیاجائے کہ سیمنٹ کس ریٹ پر ملتا ہے۔ ۴۔خیمے اور ۲۵۔چھولداریوں کا انتظام کیا جائے۔۵۔احمدی دھوبیوں ۔نائیوں،کمہاروں کو تحریک کی جائے کہ وہ ربوہ آکرآباد ہوں اورکام کریں۔۶۔پانی کے انتظام کیلئے فوراً سروے کرکے ٹیوب ویل کا کام شروع کیا جائے۔۷۔ڈاک خانے اوراسٹیشن کیلئے فوری کوشش کی جائے۔۸۔پانچ ، چھ ہزارمن غلہ فوراً سال کی ضرورت کیلئے خرید لیا جائے۔۹۔مٹی کے تیل کا کوٹہ منظور کرواکرفوراً خرید لیاجائے۔۱۰۔سب سے پہلے مسجد بنائی جائے اور پھر دوسری عمارتوں کی تعمیرشروع کی جائے۔ حضورؓ کس طرح ذاتی گہری دلچسپی اور پوری احتیاط اورانہماک کے ساتھ ربوہ کی آبادی کا انتظام کررہے تھے اسکی ایک مثال میں عرض کرتا ہوں۔

حضرت مصلح موعودؓ کے زیرِسایہ،کم وبیش دوصد خواتین اور بچے رتن باغ لاہور کی مختلف عمارتوں میں اکتوبر ۱۹۴۷ء سے اپریل ۱۹۴۹ء تک مقیم رہے۔ان میں زیادہ تر درویشانِ قادیان اور مبلغین کے اہل وعیال اور کچھ بے سہارااورمعذور عورتیں اور نصرت گرلز سکول کا عملہ بھی تھا۔حضورؓ نے ان سب کوربوہ منتقل کرنے کافیصلہ کیا۔جب یہ سب خواتین اپنے سامان سمیت جمع ہوگئیں تو خاکسار کی اہلیہ امتہ اللطیف ، جسے حضورؓ نے انکی منتظمہ مقرر فرمایا تھافہرست کے مطابق نام پڑھتی جاتی تھیں اورمحترم میرداؤد احمد صاحب مرحوم جو امیرِ قافلہ تھے کی نگرانی میں خدام انہیں تانگوں میں بٹھا کراسٹیشن روانہ کرتے جاتے تھے۔ جبکہ حضورؓ اوپر برآمدہ میں کھڑے ہوکر عمومی نگرانی فرمارہے تھے۔اسٹیشن پر بھی خدام انہیں سوار کرنے اور ان کی ہر ممکن مدد کرنے کیلئے موجود تھے۔گاڑی کی تین بوگیاں ان کیلئے ریزرو کروائی گئی تھیں۔جب گاڑی ربوہ پہنچی تورات کی تاریکی چھا چکی تھی۔خواتین یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ حضرت مصلح موعودؓ جنہوں نے رتن باغ سے لاہور میں ہمیں الوداع کہا تھا، خود بنفسِ نفیس سٹیشن پر موجود تھے۔حضورؓ بذریعہ کار لاہور سے ربوہ پہنچے تھے۔خدام ایک لائن میں کھڑے تھے اور انہوں نے سب خواتین کا سامان اتارا۔مستورات کی فہرست میری اہلیہ کے پاس تھی،خود ایک ایک عورت کانام دریافت فرماتے،دو خدام سامان اٹھانے کیلئے ہمراہ کرتے،اس عورت کو خدام کا نام اور خدام کو عورت کا نام بتاتے اورپھر انہیں کچی بیرکوں میں،جوعارضی رہائش کیلئے بنائی گئی تھیں بھجوادیتے ۔خدام عورتوں کوجائے قیام پر پہنچا کرآتے اور حضورؓ کوبتاتے کہ عورتیں جائے قیام پر پہنچ گئی ہیں۔اس طرح اپنی ذاتی نگرانی میں بڑی احتیاط کے ساتھ ان سب عورتوں اور بچوں کو لاہور سے ربوہ منتقل فرمایا۔پھر عورتوں کی قیام گاہوں پر خود جاکرسارے انتظامات کا معائنہ فرماتے رہے تا کہ عورتوں کوکسی قسم کی دقّت نہ ہو۔ربوہ اس وقت ایک ایسی بےآب وگیاہ وادی تھی جومٹی سے اٹی پڑی تھی اوراسمیں ہروقت جھکڑ چلتے تھے،مگر یہاں آکر یہ عورتیں یوں محسوس کرتی تھیں کہ گویاوہ اب ایک محفوظ قلعے میں بند ہوگئی ہیں،جس کی نگرانی خودحضورؓفرمارہے ہیں۔حضورؓ نے اس موقع پردیگر نصائح کے علاوہ یہ بھی ہدایت فرمائی کہ عورتیں ربوہ کی پہاڑیوں پر نہ چڑھیں۔عورتوں کی قیام گاہ میں کسی مرد کو جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔اگرکسی عورت نے کہیں جانا ہوتووہ دفتر سے اجازت لے کر جائے۔دارالخواتین میں رہنے والی عورتوں کیلئے چرخے اور روئی منگواکر دی گئی تا کہ وہ بیکار نہ رہیں اور فارغ وقت میں کام کریں۔ یہ سب انتظامات حضورؓ کی ذاتی نگرانی میں ہوئے ۔میں اس مضمون کومحترم راجہ علی محمد صاحب مرحوم سابق ناظر بیت المال کے ایک قیمتی نوٹ پرختم کرتا ہوں۔ راجہ صاحب محترم ربوہ کی زمین کے حصول کی کوشش میں شروع سے آخرتک شامل رہے تھے۔راجہ صاحب نے (بحوالہ الفضل ۷۔جون ۱۹۶۴ء) تحریرفرمایا:۔

’’اس رقبہ کے حصول کیلئے سرگرمی اورگرم جوشی کو بیان کرنامیری قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ اپنی کوتاہ بینی کیوجہ سے ہم میں سے بعض خیال کرتے تھے کہ حضورؓ جس کام کا ارادہ کرلیں پھراس کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں۔اس وقت تمام فکر وتدبر،مشغولیت اور مصروفیت ہمہ تن توجہ اس کام لئے وقف معلوم ہوتی تھی لیکن جلد ہی بعد میں آنے والے واقعات نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔حضورؓ کی عجلت پسندی،فکراور گرم جوشی ہمارے لئے دستِ غیب کا ایک کرشمہ تھاجو حضورؓ کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔کیونکہ اس کے بعدجلد ہی جماعتِ احمدیہ کے خلاف تعصب،بغض وعناد،حسداورنفرت کالاوہ اندر ہی اندر پکنا شروع ہوگیا اور جوں جوں دن گزرتے گئے جماعت کے ساتھ ہمدردی اورخیرسگالی کا جذبہ جو قادیان اوراس کے گردونواح میں مسلمانوں کی حفاظت کیلئے احمدیوں کے مثالی اورمومنانہ ایثاراور استقلال کیوجہ سے پیداہواتھاوہ افتراء ، کذب بیانی اور منافرت کے لاوہ میں دبتا گیااور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہماری ہربات کو ناکام کرنے کی کوشش کی جانے لگی۔ایسے حالات میں کوئی یہ خیال بھی نہیں کرسکتا تھاکہ ربوہ کی سرزمین کا حاصل کرنا ہمارے واسطےممکن ہوگا۔ربوہ کی زمین کا اسطرح حاصل ہوناایک معجزہ ہے۔جسطرح کی کوشش ان دنوں حضورؓ نے کی اس میں ایک گھنٹے کی غفلت بھی مقصد کی کامیابی میں دنوں کا التواء اوردنوں کی غفلت مہینوں کا التواء ثابت ہوتی اور چند مہینوں کی غفلت تو غالبًا اصل مقصود اور مدّعا اور اس کیلئے جو اقدام کیا گیا تھا، یہ سب ایک منفی کوشش ثابت ہوتی۔پس ربوہ کا وجود ایک معجزہ ہے جوحضرت موعوداولو العزم اور مصلح اور امامِ ربّانی کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔‘‘

چٹخی ہوئی ہے آج بھی یادوں کی چاندنی
وہ ماہِ رُخ نظر میں سما کر چلا گیا

سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی روحانی قوت کا پرتو

تحریر: مکرم مولانا محمد اسماعیل صاحب منیر

1989ء میں احمدیہ جماعت کی بنیاد کی پہلی صدی پوری ہونے پر دنیا بھر میں احمدیہ صد سالہ جشن تشکر منایا گیا اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نصرت پر مختلف رنگوں میں شکرانہ ادا کیا گیا۔ برطانیہ کے جلسہ سالانہ کو بھی اس تناظر میں عظیم جلسہ کی شکل دی گئی، جسمیں دنیا بھر کے نمائندے پہلے جلسہ سے دوگنی تعداد میں حاضر ہوئے۔ عاجز بھی جوان دنوں اسیران راہ مولیٰ ساہیوال کی خدمت پر حضورِ اقدس کی طرف سے خصوصی طور پر مامور تھا رخصت لے کر جلسہ سالانہ میں شامل ہوا۔لنڈن پہنچتے ہی حضور اقدس سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی اور آپ نے اس بات پر مسرت کا اظہار فرمایا کہ عاجز نے اسیران کے ہر قسم کے حالات سے حضور کو بخوبی آگاہ رکھنے کی سعی کی۔ حتیٰ کہ عزیزم محمد الیاس صاحب منیر مربی سلسلہ ساہیوال (جسے پاکستانی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء کی ہدایت پر سزائے موت سنائی گئی تھی مگر اسی کوشش کے دوران کہ اس سزاء پر جلد عمل درآمد ہو جائے خود آگ کے عذاب سے دوچار ہو کر 17 اگست 1988ء کو جہنم رسید ہو گیا) نے جیل کی کال کوٹھڑی میں بیٹھ کر اپنے حالات اور مشاہدات لکھے تھے وہ بھی حضور کو برابر بھجوا رہا تھا۔ جن کو پڑھ کر حضور نے MTA پر کئی بار اظہار فرمایا کہ عزیزم الیاس منیر صرف اصحاب الکھف ہی نہیں اصحاب الرقیم بھی ہے جو جیل کے حالات ساتھ کے ساتھ لکھ کر مجھے بھجوا رہا ہے۔ جو تبلیغی پروگرام کو آگے بڑھانے کے لئے بہت ممد اور مفید ہونگے اور وقت آنے پر بکثرت شائع کرواؤنگا۔ اسی نوعیت کا خط اپنے ہاتھ سے لکھ کر عزیزم کو جیل میں بھجوایا۔ حضور اقدس کو ان چھ/6 اسیران راہ مولیٰ ساہیوال کی ازحد فکر تھی۔ پہلی ملاقات میں اپنی اس فکر کا اظہار بھی فرمایا اور پھر کہا کہ بعض احمدی وکلاء بھی جلسہ پر آئے ہوئے ہیں ان سے مشورہ کر کے جو بہتر پروگرام بنا وہ اگلی ملاقات میں بتاؤنگا۔ اگلی ملاقات پر پھر مجھے تسلی دی کہ احمدی وکلاء آپس میں مشورہ کر کے ان اسیران کی رہائی کے لئے نیا راستہ سوچ رہے ہیں۔ بہر حال وقت جلد جلد گزرتا گیا اور میری پاکستان واپسی کا وقت آن پہنچا اور میں نے الوداعی ملاقات کے لئے درخواست کی تو شام کی ملاقات کی لسٹ کے آخر پر میرا نام بھی آ گیا۔ اب میں اپنے بیٹے الیاس منیر جو پانچ سال سے جیل میں تھا کے متعلق کئی سوالات لے کر حاضر ہوا۔ مگر مجھ سے کچھ بولا ہی نہ گیا ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے مجھ پر کنٹرول کر رکھا ہے اور گویا بولنے کی طاقت سلب ہو گئی ہو۔ دوسری طرف حضور اقدس میرے سامنے کھڑے تھے۔ آپ نے بھی ایک لفظ تک اپنے منہ سے نہ نکالا ہم دونوں ایک دوسرے کے سامنے خاموش کھڑے تھے ایک دو منٹ اسی کیفیت میں گزر گئے پھر آپ نے فرمایا کہ چلو نماز کا وقت ہو گیا ہے مسجد چلیں۔ آپ آگے آگے نکلے میں آپ کے پیچھے پیچھے کچھ اس طرح ہو لیا کہ میرا چہرہ سرخ تھا اور میری آنکھوں سے گرم گرم آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ نماز مغرب میں باوجود کوشش کے یہ سلسلہ بند نہ ہو سکا پھر نماز عشاء حضور نے پڑھائی اسمیں بھی میری یہی کیفیت جاری رہی۔ نماز کے بعد حضور انور تو گھر کے اندر تشریف لے گئے میں وہاں دوستوں میں گھر گیا ہر ایک کا سوال تھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ مگر میں کسی کو کوئی جواب نہ دے سکا مگر میرے سرخ چہرے اور آنسوؤں کی جھڑی پر ہر ایک پریشان تھا۔ لیکن میرے دل میں ایک بات گڑ چکی تھی کہ میرا بیٹا الیاس منیر جیل سے رہا ہو کر یقیناً گھر آئے گا۔ گویا یہی وہ پیغام تھا جو حضرت خلیفۃ المسیحؒ مجھے دینا چاہتے تھے اور آپ نے اپنی خاموشی سے اپنے دل کی بات میرے دل میں داخل کر دی۔ گویا صدری علم کے ذریعہ مجھے یہ بات باور کروادی۔ اس خاموش خوش خبری پر میرے خوشی کے آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے اور جسم کے اندر سخت گرمی محسوس کر رہا تھا جو یقیناً آپ کی نا قابلِ بیان روحانی قوت قدسی یا بالفاظ دیگر روحانی مقناطیسیت کا نتیجہ تھا۔ شاید اسی قوت کا نام ہمارے محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے برقی اور مقناطیسی قوتوں کو یکجا کر کے دکھا دیا ہے۔ جس کے زبردست اظہار کا نمونہ عاجز نے اس دن دیکھا اور غیر معمولی انقلابی حالت میں میرے دل میں یہ بات گڑ گئی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے اسیران راہ مولیٰ ساہیوال کو کچھ نہ ہوگا اور وہ بخیریت اپنے گھروں کو واپس آئیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا کہ یہ اسیران مزید پانچ سال پاکستانی جیلوں میں گزار کر 20 مارچ 1994ء کو رہا ہو کر ربوہ پہنچے تو اہالیان ربوہ نے ایسا شاندار استقبال کیا جو ربوہ کی تاریخ میں بے نظیر تھا۔ رات بارہ بجے جب عزیزم الیاس منیر صاحب دارالضیافت سے فارغ ہو کر اپنے گھر پہنچے تو جان سے پیارے حضورؒ کا لنڈن سے فون آ گیا کہ ''میں طاہر بول رہا ہوں'' پھر آپ نے عزیزم کی بیگم طاہرہ الیاس کو خوشخبری سنائی کہ اب ایک اور بیٹا آ رہا ہے اسکا نام ''رستگار'' (اسیروں کو رہا کروانے والا) تجویز کرتا ہوں۔ الحمد للہ کہ ہم نے اس خوشخبری کو اگلے سال ہی پورا ہوتا دیکھ لیا اور عزیزم رستگار الیاس اب اپنے جرمنی سکول میں ٹاپ کے طالب علموں میں زیر تعلیم ہے۔ عاجزانہ درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خاندان کے حق میں وہ دعائیں قبول فرمائے جو حضور اقدسؒ اور احباب جماعت نے اس خاندان کے ایک فرد کے لئے جیل کی دس سالہ اسیری میں کی تھیں۔

حضرت المصلح الموعودؓ کی روحانی طاقت

ایسا ہی ایک ایمان افروز واقعہ حضرت المصلح الموعودؓ کے ساتھ دوران ملاقات 1951ء میں پیش آیا جب کہ عاجز جامعہ احمدیہ احمد نگر سے ''مبلغین کلاس'' پاس کر کے وکالت تبشیر میں آیا اور مجھے سری لنکا میں تحریک جدید کا نیا مشن کھولنے کی ذمہ داری سپرد ہوئی تھی۔ روانگی سے قبل حسب روایت حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ مئی کا گرم مہینہ تھا حضور نے ململ کی قمیص اور لٹھے کی شلوار پہن رکھی تھی۔ ربوہ کے ابتدائی کچے مکانوں میں ہم سادہ کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ حضور نے سری لنکا کی پرانی جماعت جسکو

1915ء میں صوفی غلام محمد صاحب بی اے نے ماریشس جاتے ہوئے راستے میں منظم کیا تھا، کے مشکل حالات بیان کرنے شروع فرمائے۔ ہندوستانی تامل بولنے والوں کے مقامی سنہالیز بولنے والوں سے اختلافات بھی بیان فرمائے۔ عاجز 22 سال کا نوآموز جو ابھی ابھی تعلیم مکمل کر کے دفتر تبشیر میں پہنچا تھا سری لنکا کی دونوں زبانوں تامل اور سنہالیز سے بالکل ناواقف پھر جماعتی تربیتی کاموں میں ناتجربہ کار، حیران و پریشان تھا کہ میں ان مشکل حالات کو کیسے سُدھارونگا۔ ہماری یہ گفتگو نصف گھنٹہ تک چلتی رہی جوں جوں مشکلات کا سنتا میری پریشانی میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ حضورؓ اچانک اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا آؤ معانقہ کر لیں اور پھر کافی دیر مجھے سینے سے لگائے رکھا۔ پھر مصافحہ کی باری آئی تو میرے دونوں ہاتھ حضورؓ کے دائیں ہاتھ سے چمٹے ہوئے تھے کہ اچانک میں نے ایک برقی رو محسوس کی جو حضورؓ کے ہاتھ سے نکلتی ہوئی میرے ہاتھ میں آئی اور پھر بازو سے ہوتی ہوئی سیدھی میرے دل میں جا پہنچی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں پیچھے کی جانب گرنے لگا ہوں گویا برقی رو مجھے پیچھے دھکیل رہی ہے۔ مگر حضورؓ کے ہاتھ کی مقناطیسی قوت نے مضبوطی سے مجھے اپنے ساتھ چمٹائے رکھا اور میں گرنے سے محفوظ رہا۔ اسکے معاً بعد میرے خیالات میں یکلخت تبدیلی آئی اور دل میں جو خوف کی حالت طاری تھی وہ یکدم غائب ہوگئی۔ اور میں نیا عزم لے کر گویا نئے جنم میں آ گیا ہوں جہاں خوف و ہراس کا نام تک نہ تھا۔ پس یہ وہ پیغام تھا جو حضورؓ کی قوتِ قدسی نے مجھے دیا اور اب اس واقعہ پر 52 سال گزر چکے ہیں۔ بڑے بڑے تبلیغی معرکوں سے واسطہ پڑتا رہا لیکن بفضل اللہ تعالیٰ خوف و ہراس میرے قریب نہیں پھٹکا اور ہر مشکل سے مشکل میدان میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل سے نوازا اور کامیابی سے ہمکنار کیا۔ جس پر اپنے مولیٰ کا جتنا بھی شکر کروں کم ہے۔ لُبِ لباب یہ کہ، خدا اپنے خاص مقرّب بندوں کو ایسی روحانی قوتیں عطا فرماتا ہے جن کا پرتو انسانوں میں مثبت انقلاب پیدا کر دیتا ہے اور پھر ان سے غیر معمولی کام کرواتا ہے جو بادی النظر میں بظاہر انہونے اور ناممکن ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں کچھ اشعار ارسال ہیں۔ خاکسار شاعر تو نہیں لیکن حضور کی اچانک وفات حسرت آیات پر دل، رنج و الم کی جن ناقابلِ بیان کیفیات سے گزرا، بس انہی جذبات قلبی کو لفظوں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ والسلام

محمد طارق سجاد (سیکرٹری ضیافت کراچی)

وقتِ جدائی تیرا، بے جان کر گیا تھا ۔۔۔ گلشن ہی جیسے سارا ویران کر گیا تھا
آواز تیری سُن کر دل سب کے جھومتے تھے ۔۔۔ ایسے سماعتوں کو روشن تُو کر گیا تھا
احمد کے گلستاں کو ایسے نکھارا تو نے ۔۔۔ ہر پھول ہر کلی کو مہک بار کر گیا تھا
کی جاں سے اپنی تُو نے ہر جاں کی آبیاری ۔۔۔ ہر ایک جان کو تو ثمر بار کر گیا تھا
غم سارے بھول جاتے مِل کر تجھے اے پیارے ۔۔۔ ہر چہرہ غم زدہ کو مسرور کر گیا تھا
تو نے نبھائی ایسے خیرالوریٰ کی سنت ۔۔۔ جو بھی متاعِ جاں تھی سب وار کر گیا تھا
توحید کی ندا کو ہر سو بکھیرا ایسے ۔۔۔ ہر دشمنِ خُدا کو حیران کر گیا تھا
جُرأت سے تیری دیکھے ایوانِ شاہ لرزتے ۔۔۔ باطل کو شش جہت میں للکار کر گیا تھا
عرفاں کے جام بھر بھر تُو نے پلائے ایسے ۔۔۔ ہر تشنہ روح کو تُو سیراب کر گیا تھا
عرفان کی مجالس اَب ڈھونڈتی ہیں تجھ کو ۔۔۔ وہ جن کے دیکھنے کی عادت تو کر گیا تھا
ظالم نے راستوں پر پہرے بٹھائے تیرے ۔۔۔ تو اذن سے خدا کے پرواز کر گیا تھا
دشمن نے چاہی تیری رسوائی دیکھنا تھی ۔۔۔ جل کر وہ آپ اپنی رسوائی کر گیا تھا
گو راستہ میں تیرے طوفان صدہا آئے ۔۔۔ سب کو بفضلِ باری تو پار کر گیا تھا
عُشاق منتظر رہے اُن راستوں پہ برسوں ۔۔۔ جن پر خدا کی خاطر تُو چھوڑ کر گیا تھا
تبلیغ حق کی لو سے سینہ تھا تیرا روشن ۔۔۔ اُس روشنی کو ہر سُو تُو بکھیر کر گیا تھا
کرتے ہیں عہد روح سے تیری تیرے غلام ۔۔۔ بجھنے نہ دیں گے لو جو روشن تُو کر گیا تھا
تُو فردوس سے دیکھے اَب دینِ حق کا غلبہ ۔۔۔ جس کیلئے تُو اپنی جاں وار کر گیا تھا
باذنِ رَبّ، خلافت سایہ سدا کرے گی ۔۔۔ رَبّ کیطرف سے اپنے تُو نوید کر گیا تھا
رَبّ نے تجھے بلایا مسرور دے کے ہم کو ۔۔۔ آتا ہے بادشاہ وہ اشارہ تُو کر گیا تھا

کاسرِ صلیب.........

''اقبالیات'' کے ماہر اور سابق ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی لاہور، جناب بشیر احمد ڈار اپنی کتاب ''اقبال اور احمدیت'' میں لکھتے ہیں:-

''انیسویں صدی کے آخری عشرے میں.....آریہ سماجی اور عیسائی مبلغین نے اسلام کے خلاف باقاعدہ مہم شروع کر رکھی تھی۔ مسلمانوں میں اس کا جواب بڑی عمدگی سے سرانجام دینے کا کام مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے ذمہ لیا اور بلاشک وشبہ مسلمانوں نے اس کارکردگی کو فخر کے ساتھ محسوس کیا.... جب برِصغیر کے مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا کہ خود انگلستان میں احمدیوں نے مرکز قائم کیا ہے۔ جہاں اسلام کی تبلیغ ہوتی ہے اور پھر کئی ایک انگریز مسلمان بھی ہو گئے ہیں تو اس پر انہیں فخر سے سر اونچا کرنے کا موقع میسر آیا وہ قوم جو مدت سے مقہور اور شکست خوردہ ہو چکی تھی ایسی خبریں سن سن کر اس کی خوشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اسی دور کا قصہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے عیسائی دنیا کو للکارا۔

آؤ عیسائیو! ادھر آؤ ۔۔۔ نورِ حق دیکھو، راہِ حق پاؤ
جس قدر خوبیاں ہیں قرآں میں ۔۔۔ کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ

جب عیسائیوں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر مرزا صاحب نے کہا ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند ۔۔۔ ہر مخالف کو مقابل پر بلایا ہم نے

(''اقبال اور احمدیت'' صفحہ ۷ از بی اے ڈار۔ مطبوعہ ۱۹۸۴ء)

مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی

برصغیر کا ایک بے مثال نعت گو

برصغیر ہند و پاک میں کوئی ہی ایسا شاعر رہا ہوگا جس نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعت نہ کہی ہو۔ نعت گوئی کی روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت حسان بن ثابتؓ سے شروع ہوئی، اور بے شمار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس بابرکت روایت کو آگے بڑھایا۔ عربی اور فارسی کے زیرِ اثر یہی روایت ہمارے ہاں بھی پہنچی اور شعراء کرام ہر دَور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کرتے اور اپنی عاقبت سنوارتے رہے۔

پنجاب یونیورسٹی سے دو حضرات نے نعت گوئی پر مقالے لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اُردو نعت گوئی پر اور ڈاکٹر اسحاق قریشی نے برصغیر میں عربی نعت گوئی پر مقالے لکھے۔ اگر برصغیر کی فارسی نعت پر کوئی مقالہ لکھا گیا ہے تو اس تک میری رسائی نہیں ہوئی۔ اتفاق سے یہ دونوں حضرات میرے رفیق کار رہے۔ ڈاکٹر اسحاق قریشی کا مقالہ میرے ملاحظہ میں آیا تو میں نے انہیں انیسویں صدی کے ایک بہت بڑے نعت گو کا دیوان دیا۔ حیرت کی بات تھی کہ ڈاکٹر اسحاق قریشی نے اس شخص کا ذکر تک نہیں کیا تھا۔ میں نے توجہ دلائی تو فرمانے لگے کہ میرے علم میں ہی نہیں تھا کہ ان صاحب نے عربی میں نعتیں لکھی ہیں۔ مقالہ چھپنے کو تھا آپ نے وعدہ تو کیا تھا کہ چھپنے سے قبل وہ اس کی تلافی کر دیں گے۔ اب کچھ عرصہ سے مَیں تو یہاں اپسالا یونیورسٹی میں بیٹھا ہوں خدا معلوم ڈاکٹر صاحب نے اس کی تلافی کی یا نہیں؟

ہمارے ہاں انیسویں صدی کے اواخر تک بلکہ بیسویں صدی کی پہلی تین دہائیوں تک فارسی شعری روایت سے ہمارا رابطہ قائم تھا۔ اقبالؔ اس فارسی شعری روایت کا آخری شاعر تھا۔ اس کے بعد یہ روایت مٹتے مٹتے مٹ گئی۔ کہیں کہیں اکا دکا شاعر فارسی کو ذریعہ اظہار بناتے رہے مگر انیسویں صدی میں تو اکثر شاعر دقیق مضامین کے اظہار کے لئے فارسی کو ترجیح دیتے تھے۔ جس فارسی نعت گو کا ذکر مَیں کرنے لگا ہوں ان کی نعت گوئی کی خصوصیت ہی یہ تھی کہ وہ نعت کو ایک فکری نظم جان کر کہتے تھے۔ محض مدینہ اور خاک مدینہ تک اپنے کو محدود نہیں رکھتے تھے۔ ان کے ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے صحیح مقام کا ادراک کئے بغیر نعت کہنا ممکن ہی نہیں تھا۔ ان کی اکثر نعتیں فارسی یا عربی میں ہیں۔ ان کی عربی نعت ۔

یا عین فیض اللہ والعرفان یسعی الیک الخلق کالظمان

(کہ اے فیضان و عرفان الٰہی کے سرچشمے! خلق خدا تمہاری طرف پیاسوں کی طرح دوڑی آتی ہے)

بلاد عربیہ میں بھی بہت احترام سے سنی اور پڑھی جاتی ہے۔ بلکہ دمشق کے ایک مدرسہ میں اس کا باقاعدہ درس دیا جاتا ہے۔ اس ساری نعت میں کہیں ایک جگہ بھی اس بات کا ذکر نہیں کہ یہ نظم کس ذات مبارک کے بارے میں ہے۔ اس کے مطالب خود بتاتے چلے جاتے ہیں کہ وہ سرچشمہ عرفان کون ہے جس کی جانب دُنیا پیاسوں کی طرح سعی کرتی چلی آتی ہے۔ یہ نعت داخلی شہادت کے پیرائے میں کہی گئی ہے اور اسی لئے اپنی تکنیک کے لحاظ سے منفرد ہے۔ نعت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کے علاوہ اس سرزمین کے ذرے بھی لعل و جواہر سے زیادہ قیمتی گنے جاتے رہے اور ہیں۔ مگر ایک وقت ایسا آیا کہ نعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل کے بیان سے ہٹ کر محض ماحول و احوال تک محدود ہو گئی۔ حالانکہ اس روایت کے پیش رو حضرات کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نعت کہنے والے محض ان کی ان باتوں کو اختیار کر لیں گے اور حضور کے فیضان کا ذکر کرنا بھول بیٹھیں گے۔ اُردو نعت میں یہ رویہ بہت عام رہا، مگر برصغیر میں فارسی کے نعت گو حضرات نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان و عرفان کو ہی اپنا مطمع نظر جانا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ فارسی کے اکثر نعت گو شعراء تصوف سے آگاہی رکھتے تھے اور ان کے ہاں وہی صوفیانہ رو چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ غالبؔ نے بھی فارسی روایت کے تتبع میں صوفیانہ مسلک میں نعت کہی۔ جامیؔ کی نعت ۔

نسیما جانب بطحا گزر کن ز احوالم محمدؐ را خبر کن

(اے بادِ نسیم! بطحا کی طرف گزر کر اور میرے حال سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کر)

مدتوں ہمارے ہاں عرسوں پر گائی جاتی رہی مگر اس نعت کے دوش بدوش یہ نعت بھی صوفیاء کے ہاں بہت مقبول رہی ۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش محمد ہست برہان محمد

(اگر تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر دلیل کا طلب گار ہے تو ان کا عشق اختیار کر کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دلیل آپ ہیں)

مگر کسی کو علم نہ ہوا کہ یہ شعر کس کا ہے اور عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی یہ نعت کس نے کہی ہے؟ یہ مضمون اسی بے مثال نعت گو کی فارسی نعت گوئی کے بارے میں ہے۔

نام غلام احمدؑ، تخلص ''فرخ''، ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۸ء میں راہی ملک بقا ہوئے۔ اسی (۸۰) کے قریب دینی تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ خواجہ میر درد کے خاندان سے صہری تعلق قائم ہوا۔ اولاد بھی علمی اور دینی حلقوں میں منفرد اور ممتاز سمجھی گئی۔ ان کی نعت گوئی میں ان کی صوفیانہ طبیعت اور ترک دُنیا کا بھی بہت حصہ ہے۔ کھاتے پیتے جاگیر دار گھرانہ سے تعلق تھا مگر بچپن ہی سے علائق دُنیا سے بیزار تھے۔ مسجد ان کا ٹھکانہ اور قرآن کی تلاوت ان کی غذا تھی۔ ان کی نعت گوئی محض اوپری نہیں تھی ان کے دل کی کیفیت کی آئینہ دار تھی۔ روایت ہے کہ حضرت خواجہ غلام فریدؒ چاچڑاں شریف والے ان کی نعت بطور خاص سنتے اور وجد کیا کرتے تھے۔ مگر حیف کہ ہمارے اس بے مثال نعت گو کی وہ قدر نہ ہوئی جو ان کا حق تھا۔ ان کی نعت ۔

''در دلم جوشد ثنائے سرورے آں کہ در خوبی نہ دارد ہمسرے''

قصیدہ کے رویہ میں ہے اور ۱۲۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ نعتیہ قصائد اگر ہمارے ہاں کسی نے کہے ہیں تو وہ یہی ''فرخ'' صاحب ہیں۔ ہمارے ہاں نعت غزل کے رویہ میں یا زیادہ سے زیادہ نظم کے رویہ میں کہی گئی۔ نعت کو باقاعدہ نعتیہ قصیدہ کا رنگ انہیں سے ملا۔ اسی نعت کا یہ شعر صوفیاء پر حال طاری کر دیا کرتا تھا۔

می پریدم سوئے کوئے او مدام — من اگرمی داشتم بال و پرے

(اگر میرے بال و پر ہوتے تو مَیں ہمیشہ اسی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پرواز کرتا)

وہ نعت بھی انہی سے منسوب ہے جس میں آنحضورؐ کی قوت قدسی کی بہترین تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور نعت کے رویہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ یہ مضمون نعت گو شعراء کا مرغوب مضمون رہا ہے کہ اے کاش انہیں مدینہ میں موت آئے یا ان کی خاک اس خاک کا حصہ بن جائے جو سرزمین عرب کی خاک کہلاتی ہے۔ مگر ''فرخ'' کا خیال انوکھا بھی ہے اور والہانہ بھی۔ زمین ہے قربان تست جان من اے یار محسنم' شعر ہے۔

در کوئے تو اگر سرِ عشاق را زنند — اوّل کسے کہ، لافِ تعشق زند منم

(کہ اگر تمہارے کوچہ میں عاشقوں کے سر قلم کئے جا رہے ہوں تو مَیں سب سے پہلے تمہارے عشق کا دعویٰ کروں گا)

یہ ۱۸۹۳ء کی نعت ہے اوراس وقت ہمارے ہاں نعت کے رویے بہت مختلف تھے۔ غالب کی نعت کی زمین سعدی سے آئی ہے اسی زمین میں فرخ نے بھی نعت کہی۔ اس کے دو شعر۔

عجب نوریست در جان محمد (ﷺ) — عجب لعلیست در کان محمد (ﷺ)

(محمد کا نور عجب نور ہے اور محمد ﷺ کی کان میں عجیب لعل و جواہر ہیں)

دریغا' گر دِہم صد جاں دریں راہ — نباشد نیز شایان محمد (ﷺ)

(بلاشبہ اگر اس راہ میں سو جانیں بھی قربان کرنا پڑیں تو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔)

ایسے عاشق رسول ﷺ کے کلام کا یوں نظر انداز ہو جانا برصغیر میں نعت گوئی کی تاریخ پر بہت بڑا ظلم ہے۔ اے کاش کسی محقق کو اس بے مثال نعت گو کی نعت گوئی پر تفصیلی کام کرنے کی توفیق ملے۔ ان کے کلام کے مجموعے چھپ چکے ہیں۔ اور یورپ کی اکثر لائبریریوں میں موجود ہیں۔ پاکستان کی لائبریریوں میں ان کی عدم موجودگی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ مَیں نے متعدد کُتب خانوں کو لکھا مگر ان کی طرف سے نفی میں جواب آیا۔ البتہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ان کے کلام کی موجودگی سے بہت خوشی ہوئی۔ ہوسکتا ہے ان کے جسمانی و روحانی متوسلین سے ان کا کلام دستیاب ہو سکے۔ عربی نعتیہ قصائد ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی سے مل سکتے ہیں کیونکہ مَیں نے انہیں پیش کئے تھے۔ ان کے فارسی مجموعہ کلام میں حمد' نعت' دین اِسلام کے تفوق اور ملّت اِسلامیہ کے مسائل پر نیز عام دینی موضوعات پر نہایت دردمندانہ نظمیں موجود ہیں۔

(ماخوذ از: ہفت روزہ بدر قادیان ۲۹/اگست ۱۹۹۶ء)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر نبوّت ہو گئی اُسؐ پر تمام

----فارسی نعتیہ اشعار کا منظوم اردو ترجمہ----

پاکستان کے نامور شاعر راغب مرادآبادی کے قلم سے

بھائی جان زادالطافکم (بنام ثاقب زیروی مدیر لاہور ---ناقل) السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ! ۱۴ جون کے ''لاہور'' میں ''خوش نصیبے آں کہ چوں من کافرے'' کے زیرِ عنوان شائع ہونے والے فارسی اشعار کا منظوم ترجمہ قبول فرمایئے۔ ترجمہ کرنے میں بمشکل چند منٹ صرف ہوئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی غیبی طاقت بسرعت لکھوا رہی ہے ایک حرف نہیں بدلا۔ بہ الفاظ دیگر نظر ثانی کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔

والسلام احقر:

راغب مرادآبادی

اصل	ترجمہ
ما مسلمانیم از فضلِ خدا	ہم مسلماں ہیں بہ افضال خُدا
مصطفیٰؐ مارا امام و مقتدا	مصطفیٰ اپنا امام و مُقتدا
اندریں دِیں آمدہ از مادریم	بطنِ مادر سے ہمارا ہے یہ دیں
ہم بریم ازدارِ دنیا بگزریم	خاتمہ ہو گا اِسی پر بالیقیں
آں رسُولے کش محمدؐ ہست نام	نام ہے جس کا محمدؐ وہ رسُول
دامنِ پاکش بدستِ مادام	ہاتھ میں دامن ہے اس کا یہ نہ بھُول
ہست اُو خیر الرّسلؐ خیر الانامؐ	ہے وہی خیرُ الرّسُلؐ خیر الانامؐ
ہر نبوّت را برو شُد اختتام	ہر نبّوت ہو گئی اُسؐ پر تمام
اقتدائے قولِ اُودَر جانِ ماست	پیَروی اُس کی ہمارا جُزوِ دیں
ہر چہ زُو ثابت شود ایمانِ ماست	اُس سے جو ثابت ہے وہ حق الیقیں
چُوں دو چشمم کس ندا ندا آں جمال	میری آنکھوں پر کُھلا اُس کا جمال
جانِ من قربان آں شمس الکمال	اُس پہ جاں قُرباں کہ ہے شمس الکمال
آں منم کاندر رہِ آں سرورے	میں ہُوں وُہ اَے جادۂ خیر البشر
درمیانِ خاک و خُوں بینی سَرے	خاک وخوں میں جس کا ہے آلودہ سَر
گر ہمیں کُفر است نزدکیں ورے	کُفر اگر یہ ہے، بہ چشمِ کینہ وَر
خوش نصیبے آں کہ چُوں من کافرے	مِثل میرے بَن کے کافر، ناز کر
حضرت مرزا غلام احمد قادیانی	راغب مرادآبادی۔کراچی

(بشکریہ: ہفت روزہ ''لاہور'' کا پچاس سالہ انتخاب نمبر)

میری زندگی کی سب سے پہلی بیعت

مکرم صوبیدار (ر) محمود احمد بشیر۔ ویسٹن ساؤتھ

میں آرمی سے ریٹائیر ہو کر دسمبر ۱۹۶۹ء کو گھر آ گیا۔ لیکن ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ۱۹۷۱ء میں جنگ شروع ہو گئی تو مجھے پھر بلا لیا گیا۔ میں رسالپور سے ہوتا ہوا ہیڈ کوارٹر ۴۷۵ رینجرز گروپ ہیڈ کواٹر میں تبدیل ہو کر آ گیا۔ اگلے روز میں وردی پہن کر دفتر ٹائم (آٹھ بجے) سے ۵ منٹ پہلے دفتر چلا گیا۔ کچھ کلرک آئے ہوئے تھے اور کچھ آ رہے تھے۔ سب سے ملا، تو میں نے ایک کلرک سے پوچھا۔ کہ آپکا ہیڈ کلرک کون ہے۔ اور وہ کہاں ہے۔ اُسنے کہا کہ حوالدار محمد رفیق ہمارا ہیڈ کلرک ہے۔ اور وہ ساڑھے آٹھ بجے دفتر آتا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ دفتر لیٹ کیوں آتا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ جناب وہ ۸ بجے سو کر اٹھتا ہے منہ ہاتھ دھو کر چائے پی کر ساڑھے آٹھ بجے دفتر آ جاتا ہے۔ بہر حال وہ صاحب ساڑھے آٹھ بجے دفتر تشریف لائے میرے ساتھ علیک سلیک کر کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں صوبیدار میجر صاحب تشریف لائے اُن سے ملاقات ہوئی۔ تو انہوں نے دفتر میں جا کر کرنل صاحب کو رپورٹ دی کہ جناب نئے ہیڈ کلرک (صوبیدار) محمود احمد بشیر صاحب آ گئے ہیں۔ بہر حال مجھے وہ ساتھ لیکر کرنل صاحب کے دفتر گئے۔ انٹرویو ہوا۔ چائے وغیرہ کے بعد مجھے حوالدار رفیق سے دفتر کا چارج لینے کا حکم ہو گیا۔ دفتر آ کر میں نے حوالدار رفیق کو کہا کہ آپ چارج سرٹفیکیٹ ٹائپ کروا لیں۔ میں دستخط کر دوں۔ خیر دستخط کرنے کے بعد میں نے دفتر کا چارج لے لیا۔ دوسرے دن حوالدار رفیق پھر حسبِ عادت دفتر لیٹ آئے جبکہ میں ٹھیک ٹائم سے ۵ منٹ پہلے دفتر میں موجود تھا۔ سب کلرکوں نے مجھے دیکھا اور سلام وغیرہ کیا۔ خیر کام وغیرہ ہوتا رہا۔ میں نے حوالدار رفیق کو کچھ نہ کہا صرف دفتر بند ہونے پر میں نے اُن سے کہا کہ اگر آپ کے پاس کچھ وقت ہو تو شام کے کھانے کے بعد مجھے کچھ وقت دیں۔ تا کہ میں آپ سے کچھ دفتری اور ذاتی معلومات حاصل کر سکوں۔ کہنے لگے ضرور ضرور، عشاء کی نماز پڑھکر میں اُن کو لیکر چہل قدمی کیلئے سڑک پر آ گیا۔ اور دفتری سٹاف کے متعلق پوچھتا رہا۔ پھر میں نے اُن کے متعلق کچھ پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ آپ نماز وغیرہ تو پڑھتے ہونگے۔ اپنا حدود اربعہ بتانے کے بعد کہنے لگے کہ میں نماز وغیرہ نہیں پڑھتا۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ دل نہیں مانتا۔ میں نے کہا کہ مجھے تو بے نماز آدمی اچھا نہیں لگتا۔ پھر اپنے سٹاف کا ...... نماز ضرور پڑھا کرو۔ اسپر کہنے لگے کہ آپ احمدی تو نہیں؟ میں نے کہا ہاں اللہ کے فضل کے ساتھ احمدی ہوں۔ کہنے لگے پھر تو نماز پڑھنی ہی پڑے گی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ میرے گاؤں میں کافی احمدی لوگ ہیں۔ اُن میں بعض میرے دوست بھی ہیں۔ ویسے میں دوسرے مسلمانوں سے احمدیوں کو نیک، ایماندار اور سچے خیال کرتا ہوں۔ گو میں خود نماز نہیں پڑھتا۔ اس روز کے بعد میں روزانہ عشاء کی نماز پڑھ کر رفیق صاحب کیساتھ چہل قدمی پر نکل جاتا اور دوران سیر مختلف امور پر سیر حاصل گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایک روز میں نے پوچھا کہ آپکے گاؤں میں آپکے احمدی دوست آپکو نماز پڑھنے کیلئے نہیں کہتے اور احمدیوں اور غیر احمدیوں کے مابین جن دینی مسائل پر اختلاف ہے ان کے متعلق نہیں بتاتے۔ کہنے لگے تبلیغ بھی کرتے ہیں۔ نماز پڑھنے کو بھی کہتے ہیں۔ میں نے بھی کہا کہ نماز پڑھنی چاہیے۔ کافر اور مومن میں صرف نماز کا تو فرق ہے۔ باقی رہے دیگر مسئلے تو وہ کوئی ایسے نہیں ہیں کہ آپ کو سمجھ نہ آئیں کیونکہ آپ ماشااللہ سمجھ دار اور عقلمند ہیں۔ میں نے کہا رفیق صاحب! بات صرف دو مسئلوں کی ہے۔ ایک وفاتِ مسیح کی دوسرے فیضانِ نبوت کی۔ ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اُن کی قبر محلّہ خان یار سری نگر کشمیر میں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ زندہ آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ میں نے کہا رفیق صاحب آپ ایمان داری سے بتائیں کہ آج تک کوئی نبی آسمان پر زندہ گیا ہے کہ حضرت عیسےٰؑ زندہ آسمان پر چلے گئے۔ جبکہ ہمارے رسولِ پاک صلی علیہ وسلم کا جسدِ اقدس زمین میں مدفون ہے۔ کتنی غیرت کی بات ہے کہ جن کو ہم نبیوں کا سردار کہتے ہیں وہ تو زمین میں دفن ہیں اور جو اُن کے غلام نبی ہیں اُن کو ہم آسمان پر بٹھا دیتے ہیں کہنے لگے ہاں یہ بات تو آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ دوسری بات ہم کہتے ہیں بلکہ قرآن کہتا ہے کہ جو خدا کا اور خدا کے رسول کا حکم مانے گا تو اُن میں سے اللہ تعالیٰ نبی، رسول، شہید اور صالح لوگ پیدا کرتا رہے گا۔ لیکن ہو گا رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے اُمتی نبی۔ یعنی رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع۔ باقی آپ بھی مانتے ہیں اور ہم بھی کہ امام مہدیؑ آئینگے۔ ہم کہتے ہیں کہ امام مہدی آ گئے ہیں۔ آپ کہتے ہیں ابھی آنے ہیں۔ بہر حال مہدی کے آنے کی سب نشانیاں پوری ہو گئی ہیں وہ مہدی آ گئے ہیں۔ اور وہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام ہیں۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میرا مہدی آئیگا تو وہ اُمتی نبی ہو گا۔ سو ہم مرزا غلام احمد صاحب کو مہدی اور اُمتی نبی مانتے ہیں۔ میں روز رفیق صاحب کو عشاء کے بعد باہر لے جاتا اور مختلف دینی امور پر باتیں کرتا اور ساتھ دعا بھی کرتا اور کثرت سے درود شریف کا ورد کرتا۔ آٹھ دن کے بعد مجھے رفیق صاحب نے کہا کہ میری بیعت کا خط لکھدیں۔ میں نے کہا ابھی نہیں یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ بہت مشکل ہے۔ بہر حال چند روز کے بعد عید تھی۔ میں نے رفیق صاحب کو کہا کہ آپنے رخصت نہیں لینی عید پر گھر جائیں گے؟ کہنے لگے جانا ہے۔ میں نے کہا کتنی رخصت چاہیئے۔ کہنے لگے کہ ۵ دن کی رخصت دے دیں۔ میں نے کہا کہ آپ ۷ دن جائیں

لیکن ایک شرط ہے۔ آپکو دو دن رخصت زیادہ دے رہا ہوں۔ وہ اس واسطے کہ رستہ میں ربوہ اتر جائیں اور سیدھے ہمارے دارالضیافت میں چلے جائیں ساتھ میں نے انچارج دارالضیافت منور ملک صاحب کو ایک خط لکھا ہے کہ یہ رفیق صاحب میرے دوست ہیں اور بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ حضور سے اِن کی دستی بیعت کروا دیں۔ بہر حال وہ حضور سے یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ میں نے اُن کو بتایا تھا کہ آپکو آپکے بھائی صاحب خوب ماریں گے۔ کیونکہ رفیق کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے صرف بڑے بھائی تھے۔ شادی شدہ تھے اور غیر احمدی تھے۔ خیر رفیق صاحب بیعت کر کے اپنے گھر چلے گئے صبح عید تھی۔ رفیق صاحب احمدیوں کی مسجد میں نماز عید کے واسطے چلے گئے واپسی پر اُن کے بھائی صاحب نے پوچھا کہ تم نے عید کی نماز نہیں پڑھی کیونکہ مسجد میں تم نظر نہیں آئے؟ رفیق صاحب نے کہا کہ میں اپنی مسجد میں نماز پڑھنے چلا گیا تھا۔ رفیق صاحب کے بھائی نے پوچھا کونسی مسجد میں؟ کہنے لگے احمدیوں کی مسجد میں۔ میں احمدی ہو گیا ہوں بس پھر کیا تھا ان کے بھائی صاحب نے جوتیوں سے مرمت شروع کر دی۔ رفیق صاحب نے بتایا لوگ عید کی خوشی منا رہے تھے لیکن ہمارے گھر میں میری جوتوں سے مرمت ہو رہی تھی۔ مار کھا کر میں اپنے ایک احمدی دوست کے گھر گیا کہ عید پر جوتیاں تو کھا آیا ہوں اب کھانا دو بھوک کافی لگ رہی ہے۔ رفیق صاحب نے پوری ۷ دن رخصت بھی نہ گزاری کہ واپس آ گئے۔ میں نے پوچھا پہلے کیوں آ گئے؟ کہنے لگے کہ روز جوتیاں کون کھاتا......!! جب میرے بڑے بھائی صاحب مجھے مارتے تھے تو آپ مجھے بہت یاد آتے تھے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ کو خوب مار پڑے گی۔ یار آپ لوگ تو ولی ہیں۔ اللہ والے ہیں۔ میں نے کہا ایسا اکثر ہوتا ہے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چند روز کے بعد رفیق صاحب کا پرموشن لیٹر آ گیا۔ میں نے رفیق صاحب کو بتایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے احمدیت کا پہلا انعام دیا ہے کہ خدا نے آپکو رفیق سے رفیق "صاحب" بنا دیا۔ یعنی رفیق صاحب حوالدار سے نائب صوبیدار بن گئے۔ بعد ازاں وہ صوبیدار بن کر ریٹائر ہوئے۔ بعد از ریٹائرمنٹ اُن کو دبئی جانے کا موقع خدا نے دیا۔ وہاں اچھی جاب مل گئی۔ ۱۹۸۱ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر مجھے ملے بڑے مسرور اور خوش لباس نظر آ رہے تھے۔ حال احوال پوچھا تو بتانے لگے کہ شادی ہو گئی ہے۔ بیوی مقامی سکول میں ٹیچر ہے۔ زندگی خوش و خرم گزر رہی ہے یہ سب احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی خاطر جوتیاں کھانے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے۔ رفیق صاحب آج کل راجہ ہومیو پیتھک کی دکان پر کیشئر کا کام کرتے ہیں اور بہت خوش ہیں۔

خصوصی اعزاز!

مجلس انصاراللہ پیس ولیج کے سرگرم رکن و ایڈیشنل قائد مال مجلس انصاراللہ کینیڈا، مکرم سیّد منیر احمد شاہ صاحب کو سکاربرو جنرل ہسپتال میں بطور والنٹیئر خدمات بجا لاتے ہوئے دس سال کا عرصہ مکمل کرنے پر ہسپتال انتظامیہ کی طرف سے خوشنودی کا سرٹیفیکیٹ اور خصوصی بیج عطا کیا گیا ہے۔ ادارہ مکرم سید منیر احمد شاہ صاحب کو اس خصوصی اعزاز پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ اعزاز مبارک کرے اور آئندہ بھی بیش از پیش خدماتِ حسنہ کی توفیق عطا فرمائے آمین

☆☆☆☆☆☆☆

صدیوں کے بگڑے ایک نظر میں سدھر گئے

(کلام حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یارو! مسیحِ وقت کہ تھی جن کی انتظار
رہ تکتے تکتے جن کی کروڑوں ہی مر گئے
آئے بھی اور آ کے چلے بھی گئے وہ آہ!
ایامِ سَعد اُن کے بسُرعت گذر گئے
آمد تھی اُن کی یا کہ خدا کا نزول تھا
صدیوں کا کام تھوڑے سے عرصہ میں کر گئے
وہ پیڑ ہو رہے تھے جو مدت سے چوبِ خشک
پڑتے ہی ایک چھینٹا دلہن سے نکھر گئے
پل بھر میں مَیل سینکڑوں برسوں کی دُھل گئی
صدیوں کے بگڑے ایک نظر میں سُدھر گئے
پُر کر گئے فلاح سے جھولی مراد کی
دامانِ آرزو کو سعادت سے بھر گئے
پر تم یونہی پڑے رہے غفلت میں خواب کی
دیکھا نہ آنکھ کھول کے ساتھی کدھر گئے
صد حَیف ایسے وقت کو ہاتھوں سے کھو دیا
واحسرتا! کہ جیتے ہی جی تم تو مر گئے
سونگھی نہ بُوئے خوش نہ ہوئی دیدِ گُل نصیب
افسوس دن بہار کے یونہی گذر گئے

سلائیڈ پروجیکٹرز سے مسلم ٹی وی احمدیہ (MTA) تک !

مُرسلہ: مکرم مولانا محمد اسماعیل صاحب منیر

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے MTA کے آغاز کا اعلان ماریشس میں ایک خطبہ میں فرمایا تھا جو کرہ ارض کے جنوبی کونہ میں واقع ہے، چنانچہ دنیا کے ایک کونے سے جو آوازِ حق بلند ہوئی تھی وہ اب MTA کے ذریعہ ساری دنیا پر محیط ہو چکی ہے۔ اسی MTA کی تفصیلات، جب ایک 84 سالہ میرے پرانے فرانسیسی کیتھولک پادری دوست کی 13 ستمبر 2003ء کو جلسہ سالانہ ماریشس میں اپنی مختصر تقریر کے بعد معلوم ہوئیں تو اس نے میرے سامنے بے ساختہ اچھل کر کہا کہ MTA کے ذریعہ تو تمہارے خلیفہ طاہر نے جماعت احمدیہ کے مستقبل کو تابناک کر دیا ہے۔ MTA تمہاری جماعت کی شاندار ترقیات کا ضامن ہوگا۔ عاجز نے اس کے جذبات کا شکریہ ادا کیا اور اسے بتایا کہ اسکی آج کی تقریر کی فلم بنالی گئی ہے جو MTA کے ذریعہ اب ساری دنیا دیکھے گی اور یہ وہ کام ہے جو اُن کا پوپ بھی ابھی تک ان کے لئے نہیں کر سکا۔

عالمی ریڈیو احمدیہ کا ابتدائی منصوبہ:

عالمی احمدیہ ریڈیو کے قیام کا منصوبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پروگرام میں تھا، چنانچہ اسکے لئے دنیا بھر سے اسقدر معلومات اکٹھی کی گئیں کہ مجلس نصرت جہاں میں میرے پاس ایک فائل کے اندر ڈھیروں مواد اکٹھا ہو گیا تھا۔ اسکے ابتدائی کام کو چلانے کے لئے ہمیں ایک ریڈیو فیلڈ میں ماہر واقف زندگی بھی مہیا ہو گیا تھا۔ مگر 1972ء میں ساری تفصیلات کا جائزہ لینے پر حضورؒ نے فرمایا کہ ابھی اس منصوبہ پر عمل کا وقت نہیں آیا۔ یہ فائل شائد اب بھی مجلس نصرت جہاں کے دفتری ریکارڈ میں محفوظ پڑی ہوگی۔

پروجیکٹرز اور سلائیڈز کا دَور:

اس سے قبل 1967ء میں اپنی خلافت کے ابتدائی سالوں میں ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے تمام ممالک کے مربیان کو سرکلر کے ذریعہ رنگین سلائیڈز سے تبلیغ و تربیت کے کاموں میں مدد لینے کی تحریک فرمائی تھی جس پر عاجز نے ماریشس میں ”قرآنی نمائش 1967ء“ کی رنگین سلائیڈز بنائی تھیں۔ پھر اسی سال احمدی نوجوانوں کے ہفتہ بھر کے تربیتی کیمپ کی سلائیڈز بھی تیار کیں۔ دونوں مواقع کی سلائیڈز بہت عمدہ تیار ہوئیں جو آج تک کام آ رہی ہیں اور ان کو دیکھنے والے احمدیہ مساعی کو دیکھکر خوش ہوتے ہیں۔

رنگین سلائیڈز کا یہ سلسلہ 1970ء میں مرکز میں آنے پر عاجز نے عام کرنے کی کوشش کی تو اس حقیرانہ مساعی کے عمدہ نتائج کو دیکھتے ہوئے محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ اور محترم مولانا سیّد احمد علی شاہ صاحب نائب ناظر اصلاح و ارشاد مقامی نے بھی سلائیڈ پروجیکٹرز حاصل کئے جن کے لئے سلائیڈز کی تیاری کی سعادت خاکسار کے حصہ میں آئی۔ اس طرح مختلف جماعتوں میں سلائیڈز کیساتھ لیکچرز کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ سیّدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ 1978ء میں صدر مجلس انصاراللہ بنے تو ان کے ارشاد پر دفتر انصار اللہ مرکزیہ میں قیادت اصلاح و ارشاد کے تحت سلائیڈز لیکچرز کے لئے 6 پروجیکٹرز اور سینکڑوں نہیں ہزاروں سلائیڈز جمع ہو گئیں۔ اور میرے ساتھیوں میں سے مولانا منیرالدین احمد صاحب، مولانا محمد اعظم اکسیر صاحب، مولانا محمد بشیر شاد صاحب، مولانا منصور بشیر صاحب اور بشارت چیمہ صاحب وغیرہ نے پروجیکٹرز پر سلائیڈز لیکچرز کا سلسلہ مختلف شہروں اور دیہاتوں میں جاری کر دیا۔ مربیان سلسلہ کے اس طریقِ کار اور اسکے عمدہ نتائج کے پیشِ نظر بعد ازاں مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ نے بھی اسے اپنایا اور پھر نظارت دعوۃ الی اللہ نے بھی پروجیکٹرز خرید کر اس کام کو آگے بڑھایا۔ گویا یہ دور رنگین سلائیڈز کا پاکستان میں خوب عام ہوا۔ تو حضرت مرزا طاہر احمد صاحبؒ صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ نے ایک دن اپنی خواہش کا اظہار فرمایا کہ رنگین سلائیڈز دیکھنے والے خوب مستفید ہو رہے ہیں۔ ان سلائیڈز پر میں بھی ایک مناسب حال کنٹری ریکارڈ کرنا چاہتا ہوں جسکو آپ سلائیڈز کے ساتھ استعمال کریں۔ چنانچہ اس غرض کے لئے عاجز نے 100 عمدہ سلائیڈز کا انتخاب کیا۔ پھر آپ کے دفتر وقفِ جدید میں سلائیڈز پروجیکٹر سیٹ کر کے ساری سلائیڈز چلا کر تفصیلات نوٹ کروائیں۔ جب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ اب وہ خود پروجیکٹر چلا کر سلائیڈز دیکھکر ساتھ ساتھ اپنی کنٹری ریکارڈ کر سکیں گے تو عاجز کو چھٹی دی اور فرمایا کہ رات کو کسی وقت آ کر وہ اس کام کو مکمل کریں گے۔ مگر خدا تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اسی رات اسلام آباد سے فون پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی علالت کی اطلاع سن کر آپ کو وہاں جانا پڑ گیا۔ جہاں سے پھر آپ حضورؒ کے جنازہ کے ہمراہ ربوہ واپس آئے۔ اگلے دن خدا تعالیٰ نے آپ کو بحیثیت خلیفۃ المسیح الرابعؒ مسندِ خلافت پر متمکن فرما دیا اور سلائیڈز پر کنٹری ریکارڈ کرنے کا کام درمیان میں رہ گیا۔ بظاہر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابھی اس کام کا وقت نہ آیا تھا۔ خدا تعالیٰ کی منشاء گویا اس سے بھی بڑا کوئی عظیم منصوبہ آپکے ذریعہ لانا چاہتی تھی۔

مجھے خوب یاد ہے 1987ء کے جلسہ سالانہ یو کے پر عاجز حاضر تھا۔ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب بھی وہاں تھے آپ نے ربوہ میں اپنے مکان پر سیٹلائٹ TV پروگراموں کے لئے بہت بڑی ڈش لگوائی ہوئی تھی۔ حضور اقدس نے ڈاکٹر صاحب سے ڈش کی جُملہ تفصیلات لیں جو آپ کے دل کو لگیں۔ پھر آپ نے جماعت کے لئے اسکے حصول کی کوشش شروع فرما دی چنانچہ 1993ء میں ابتدائی کامیابی ہوئی جس کا اعلان آپ نے ماریشس کے دورہ میں فرمایا۔ 1994ء سے MTA نے ابتدائی کام کرنا شروع کر دیا جو آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے اب ساری دنیا میں قرآن مجید کے پیغام کی

اشاعت میں دن رات ایک کر رہا ہے۔ اور پھر تقریباً دس اہم زبانوں میں آپ پروگرام سن سکتے ہیں۔ اسکے لئے پروگرام لنڈن سٹوڈیو کے علاوہ کینیڈا، ربوہ، قادیان، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، جرمنی، فرانس، ماریشس، حیفہ (فلسطین) سے باقاعدگی کیساتھ تیار کرنے کے ساتھ ساتھ کئی اور ممالک میں والنٹیر ز تیار کر رہے ہیں جو لنڈن مرکزی سٹوڈیو سے ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں۔ یوں اب یہ دنیا کا واحد سیٹلائٹ TV ہے جو 24 گھنٹے انسانیت کی تعمیری خدمت کرنے میں مصروف ہے۔ جس پر فضول قسم کی اشتہار بازی اور لغویات کی نہیں ہوتی۔ والنٹیر ز کی ٹیمیں ہر جگہ کام کرتی ہیں اور اخراجات کے لئے بھی والنٹیر ز ہی رقوم مہیا کرتے ہیں۔ پرانے زمانے کی پیشگوئیاں بھی پوری ہو رہی ہیں کہ حضرت امام مہدی آئیں گے تو ان کے خلیفہ کی آواز کو ساری دنیا سنے گی بھی اور انہیں دیکھے گی بھی۔ چنانچہ عملاً یہی MTA کے ذریعہ ہو رہا ہے۔ آیئے ''MTA زندہ باد'' کے نعرے کیساتھ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ MTA کو اہلِ دنیا کی شاندار خدمات بجا لانے کی ہمیشہ ہمیش توفیق عطا فرماتا چلا جائے آمین۔

قابلِ غور

نام کے مسلمان

ڈاکٹر احمد سعید خان غوری کے ۱۹۵۳ء کے سفر انگلستان کی روداد اردو ڈائجسٹ جون ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ وہ ڈاکٹر آربری سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پروفیسر آربری تو عربی کے استاد تھے۔ قرآن مجید کا بڑا پیارا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ میں نے عرض کی ''آپ نے قرآن اور اسلام کی دعوت کو خوب سمجھا ہے اور آپ ان کے مداح بھی ہیں پھر اسلام قبول کر لینے میں کیا چیز مانع ہے''؟

''میرا جواب سن کر آپ ناراض تو نہیں ہونگے''۔ پروفیسر بولے:

''آج مسلمانوں کے قول وفعل میں بڑا تضاد ہے۔ اکثر فاسق، فاجر اور ظالم ہیں۔ ان کی ساری زندگی تناقض اور نفاق سے بھری ہوئی ہے۔ ان کے حکمرانوں کا حال بدتر ہے۔ عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اکثر نام کے مسلمان ہیں۔ میں منافق اور بزدل قوم میں اپنا شمار نہیں کرانا چاہتا''۔

(ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، جون ۱۹۹۵ء صفحہ ۱۷۰)

☆ بالفاظ دیگر ۔ **مجھے یہ کفر بہتر ہے تیرے اسلام سے توبہ!**

نائیجیریا میں احمدیت

ڈاکٹر احمد سعید خان غوری قومی ڈائجسٹ میں اپنے نائیجیریا میں قیام کے دوران مشاہدات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نائیجیریا اور خاص طور پر کانو (Kanu) میں قادیانی بڑے فعال ہیں۔ وہاں ان کے کئی سکول اور ہسپتال ہیں۔ ان کی ایمبولینسز (Ambulances) احمدیت (قادیانیت) کا چلتا پھرتا اشتہار ہیں..... جب کبھی میں اسلام کی بات کرتا تو اکثر یہ سمجھتے کہ میں ''احمدی'' ہوں''۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، اکتوبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۹۰)

☆ **اب صرف نائیجیریا کی بات نہیں، کل عالم میں اسلام سے مراد احمدیت ہی ہوگی. خدا کی تقدیر یہ فیصلے کر چکی ہے.**

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نائیجیریا میں سعودی مبلغین کا حال

ڈاکٹر احمد سعید غوری اپنے مضمون میں مزید لکھتے ہیں:

''سعودی عربیہ نے اسلام کی تبلیغ کے لئے مبلغ تعینات کر رکھے ہیں۔ یہ مبلغین بڑی بڑی تنخواہ پاتے ہیں۔ زیادہ بہاری (بھارت) اور کراچی کے مہاجرین ہوتے ہیں۔ اداروں اور مدرسوں کے فارغ التحصیل اکثر دین کے نظام فکر وعمل سے نا آشنا مگر طہارت، وضو، نماز، روزے کے مسائل سے خوب واقف، عربی زبان سے نابلد، جذبہ جہاد سے عاری۔ دنیا بنانے کی فکر میں مگن، کار لینے اور چلانے کا شوق۔ صاحبِ اثر ورسوخ مالدار حاجیوں سے دوستی کرنے اور ان کے مذہبی احساسات کو ایکس پلائٹ (Ex.ploit) کرنے میں ماہر''

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، اکتوبر ۱۹۹۴ء صفحہ ۱۹۰)

☆ **کیا ایسے مبلغین، احمدی بے لوث مجاھدین کا مقابلہ کر سکتے ھیں. جنھوں نے تن من دھن دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ھے.**

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خلافت خامسہ کی برکت سے انقلابِ نو

ہر قدم میں میرے مولیٰ نے دئے مجھ کو نشاں　　ہر عدو پر حجّتِ حق کی پڑی ہے ذوالفقار

مکرم مولانادوست محمد صاحب شاھد . مؤرخ احمدیت

بیسویں اور اکیسویں صدی کا یہ المیہ ہے کہ پاکستان کے احراری اور کانگرسی ذہن رکھنے والے علماء ظواہر ۱۹۴۸ء سے تخلیق پاکستان کے چیمپین اور اس کے اجارہ دار اور ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ پاکستان کو ''پلیدستان'' اور پاکستانیوں کو ''نام نہاد مسلمان'' یقین کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ پاکستان ''اسلام کا باغی'' ملک ہے۔ جس کے مقابل ہم ہندوہندوستان کو پسند کریں گے۔

(تاریخ احرار صفحہ ۶۰،۵۹ از چوہدری افضل حق طبع دوم ناشر مکتبہ مجلس احرار اسلام پاکستان اشاعت مارچ ۱۹۶۸ء)

مفکر احرار چوہدری افضل حق صاحب کو مسلّم ہے کہ ''جمیعۃ العلماء'' کانگریس کی امدادی جماعت تھی وہ کانگریس کے فیصلوں پر مذہبی جواز کا فتویٰ دے کر مسلمانوں میں اسے محترم بناتی تھی۔ (خطبات احرار، صفحہ ۹۳ مطبوعہ مارچ ۱۹۴۴ء)

کانگریس کے جبہ دار ایجنٹوں کے اس دائمی مسلک کا خمیازہ جماعت احمدیہ کو ۳۱ ردسمبر ۱۹۲۹ء سے بھگتنا پڑا ہے جبکہ آل انڈیا کانگریس کے اجلاس راوی کے پلیٹ فارم پر مجلس احرار کا قیام عمل میں آیا۔ پاکستان کو نقشۂ عالم میں نمودار ہوئے ۵۷ سال ہو رہے ہیں۔ اور چونکہ راقم الحروف تحریک پاکستان کے قدیم کارکنوں میں شامل ہے اور ۱۹۴۶ء کے معرکہ آراء انتخاب میں مسلم لیگ کی تائید میں قائم ہونے والے مرکز قادیان کے مرکزی شعبہ (زیر انتظام حضرت قمرالانبیاء مرزا بشیر احمد صاحبؓ) میں مفوضہ خدمت بجالانے کی توفیق پا چکا ہے اس لئے میں خاص طور پر یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہوں کہ کانگرسی ملاّؤں نے جماعت احمدیہ کے سرفروشوں کا یہ ''جرم'' آج تک معاف نہیں کیا کہ اُس نے قائداعظم کے دست و بازو کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے قیام میں کیوں مثالی حصہ لیا اور ان کی طرح گاندھی، نہرو اور پٹیل کو اپنا سیاسی پیشوا تسلیم کرنے سے کیوں انکار کر دیا۔ اس سے باطنی بغض وعناد کے شعلے اُن عظیم شخصیتوں کے خلاف ہمیشہ شدّت سے ابھرتے رہے ہیں جو پاکستان اور جماعت احمدیہ دونوں کے بطل جلیل ہیں اور حضرت چوہدری محمد ظفراللہ خان، حضرت صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نوبیل انعام یافتہ کے خلاف مسلسل پُر فریب پراپیگنڈا اسکی واضح مثال ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام عالم اسلام کے درخشندہ ستارے تھے جن پر ہر سچا مسلمان خواہ وہ کسی ملک کا باشندہ ہے ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ پاکستان کے اخبار مشرق (۱۸ فروری ۱۹۸۰ء صفحہ ۳) نے ڈاکٹر صاحب (نوراللہ مرقدہ) کے نوبیل پرائز کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:-

''عبدالسلام ایک محبّ وطن پاکستانی ہے جس کے دل میں وطن کے لئے درد ہے اس جذبہ کے تحت انہوں نے انعام کی ساری رقم حکومت پاکستان کے حوالے کر دی ہے تا کہ سائنس کی ترویج میں خرچ کی جائے۔''

لیکن پاکستان اور احمدیت کے دشمن اور اُن کے قلمکار اس وقت بھی (جبکہ ساری دنیا بالخصوص پاکستان بے شمار فتنوں اور مصائب میں گھرا ہوا ہے اور خود دہشت گرد ملاّؤں کے ہاتھوں شعلہ جوالہ بنا ہوا ہے۔) فرقہ پرستی کی آگ سے ہمارے وطن عزیز کو فنا کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور نہایت درجہ بے حجابی سے یہ مفتریانہ پراپیگنڈا جاری رکھے ہوئے ہیں کہ:-

''سی آئی اے نے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے ''کاران خاص'' کی وساطت سے اس پروگرام سے متعلقہ خفیہ معلومات حاصل کیں اور اس ''کارکردگی'' کا ''انعام'' انہیں نوبیل پرائز کے ایک تہائی حصے کی شکل میں دلوایا گیا۔ ارض پاکستان کے ایٹمی رازوں کے اس جاسوس کی پروجیکشن انہی خدمات کے صلے میں کی گئی۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو نوبیل پرائز دلوانے والی پس پردہ قوتوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو بین السطور یہ پیغام دیا کہ جب بھی پاکستانی اقتدار و اختیار کی شہ نشینوں پر ایسے ''خاکی'' متمکن ہونگے، جو ڈاکٹر عبدالسلام کے ہم مذہبوں کے دوستانہ حصار کی قید میں ہونگے تو تمہیں بھی ''نقش عبرت'' بنا دیا جائے گا۔ اب تو سی آئی اے کے سربراہ بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ ان کا ادارہ پاکستان کے ایٹمی راز جاننے کے لئے سرگرم عمل رہا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام اور دیگر ''پرویزی'' اور قادیانی سائنسدان پاکستان کے نیوکلیئر ٹیکنالوجی کے پروگرام، اس کے حجم، اس کی اہلیت اوارہ جاتی تنظیم اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی سرگرمیوں کے بارے معلومات دہلی، تل ابیب اور واشنگٹن کو فراہم کرتے رہے ہیں۔'' (کالم حافظ شفیق الرحمٰن۔ اخبار دن ۸ فروری ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۰)

ہٹلر کی نازی حکومت کے وزیر اشاعت گوئبلز پاول ازواف GOEBBELS PAUL (JOSEPH 1897-1945) تقریر وتحریر کا ماہر تھا اور احراری مقررین کی مانند جوش خطابت میں جھوٹ کے خیالی قلعے تعمیر کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اس کا نظریہ تھا کہ طاقت وقوت خود اپنا جواز پیش کرتی ہے اور بڑے بڑے جھوٹ کو مختلف انداز سے دہراتے رہنا چاہئے تا کہ وہ ذہنوں میں سچ بن کر خود بخود اتر سکے۔ گوئبلز اگر آج زندہ ہوتا تو اپنے ''حافظ قرآن'' اور منبرومحراب کے ''وارثوں'' کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا کہ اس کے یہ مرید فن کذب طرازی میں اس سے بڑھ کر فن کذب طرازی کے جوہر دکھلا رہے ہیں۔ اس کا دل یہ دیکھ کر باغ باغ ہو جاتا کہ اس کے ان مریدوں اور مذہبی بہروپیوں نے اپنے خود ساختہ اسلام میں کذب صریح یعنی سفید جھوٹ کو اپنے عقیدہ کا جزواعظم بنا لیا ہے۔ جیسا کہ ان کے ''حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی'' کا باقاعدہ شرعی فتویٰ ہے کہ ''احیائے حق کے واسطے کذب درست ہے مگر تا

امکان تعریض سے کام لیوے اگر ناچار ہو تو کذب صریح بولے۔" (فتاوی رشیدیہ کامل صفحہ ۴۶۰ ناشر محمد سعید اینڈ سنز۔ قرآن محل۔ کراچی)

احراری اور ان کے ہم مشرب کا جھوٹ کو جہاد کا درجہ دینا دراصل گوبلز کے ان علمبرداروں کی ایک مجبوری بھی ہے اور وہ یہ کہ اُنکے اعتقاد حضرت عیسیٰ کے متعلق عیسائیوں سے مستعار ہیں صرف نام کا فرق ہے اس لئے وہ غیر مسلموں کو اسلام کی تبلیغ نہیں کر سکتے اور نہ جہاد کبیر (اشاعت قرآن) میں حصہ لے سکتے ہیں۔ چنانچہ مفکر احرار چوہدری افضل حق نے اپریل ۱۹۴۵ء کے جلسہ عام دہلی میں کھلا اعتراف کیا "کسی احراری لیڈر کو یہ کہتے نہیں سنا کہ مسلمانو تم بھی اپنے دینی اور تبلیغی فرض کو ادا کرو اور غیر مسلموں میں اسلام کا تحفہ پیش کرو.....نتیجہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں میں کوئی تبلیغی حس نہیں۔ علماء، امراء اور صوفیاء موجود ہیں مگر ان کی اس طرف توجہ نہیں ہر ایک اپنی دکان چلانے میں مصروف ہے اور کاروین سے سب غافل ہیں۔ ننانوے فی صدی مسلمانوں کو..... یہ توفیق نہیں ہوئی کہ عمر میں ایک دفعہ کسی غیر مسلم کو تبلیغ دیں کریں۔" (خطبات احرار صفحہ ۴۷)

بکسے شد دین احمد ہیچ خویش و یار نیست ☆ ہر کسے با کار خود با دین احمد کار نیست

اب "محافظین ختم نبوت" کا کارنامہ سنئے کہ انہوں نے ڈاکٹر عبدالسلام کے نوبیل پرائز کا اعزاز ملنے سے قبل ہی یہ پرزور مطالبہ کیا ہے "ہمارے ملک کے کسی شعبہ زندگی میں کیمونسٹ، قادیانی اور دوسرا کوئی دشمن موجود نہیں ہونا چاہئے لیکن کم از کم ایٹمی توانائی کے مراکز تو ان دشمنوں سے پاک ہونے چاہئیں۔"

(اداریہ 'لولاک' ۳۰ ستمبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۵۔۴)

پیر تسمہ پا کے اس احتجاج پر تمام احمدی سائنسدانوں کو جس طرح نہایت بے رحمی اور سفاکی سے نکال باہر کیا گیا وہ احسان فراموشی کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔

مگر خدا کے ہاں دیر تو ہے اندھیر ہرگز نہیں چنانچہ خلافت خامسہ کے بابرکت دور کے اوّلین جلسہ قادیان کے معاً بعد جہاں جنوبی ایشیا خصوصاً انڈو پاکستان کے نئے خوشگوار تعلقات نے اس خطہ کے پورے ماحول کا نقشہ یکسر بدل دیا ہے وہاں اس کے صرف چند ہفتے بعد پاکستان کے ہیرو اور شہرت یافتہ ایٹمی سائنسدان جناب عبدالقدیر خان صاحب جنہیں ملاؤں کے اہل قلم گماشتے قائداعظم کے اکلوتے معنوی "فرزند" قرار دے رہے ہیں یکایک ۴ فروری ۲۰۰۴ء کی شام کو پاکستان ٹی وی سکرین پر دکھائی دیئے اور یہ بیان دے کر پاکستان کے مکار ملاؤں کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی کہ:۔

"میں ان ثبوتوں اور نتائج کی روشنی میں رضا کارانہ طور پر تسلیم کرتا ہوں اور قوم سے غیر مشروط معافی مانگتا ہوں کہ وہ ایسی سرگرمیوں میں (یعنی ایران، لیبیا اور جنوبی کوریا کو ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کرنے کی سازش۔ ناقل) غیر قانونی طور پر ملوث رہے ہیں۔" (اخبار دن ۵ فروری ۲۰۰۴ء صفحہ ۶)

اس تہلکہ انگیز بیان نے پورے ملک کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ پاک فوج کے سابق سربراہ مرزا اسلم بیگ نے کہا کہ" ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے بارے میں ثبوت مل گیا ہے اس سے پاکستانی قوم جو اُن کو اپنا ہیرو سمجھتی ہے اور جو لوگ اُن سے پیار کرتے ہیں ان کو بڑا دکھ ہوگا یہی ان کے لئے سزا ہے۔"

(اخبار دن ۲ فروری ۲۰۰۴ء صفحہ ۶)

اس بیان نے مذہب کے بیوپاریوں پر بجلی نہیں گویا "اسلامی بم" گرا دیا ہے چنانچہ ان کے ناقوس خصوصی حافظ شفیق الرحمن نے اخبار دن ۶ فروری ۲۰۰۴ء صفحہ ۱۰ پر ایک خصوصی کالم تحریر فرمایا ہے جس میں "محسن پاکستان ڈاکٹر قدیر خان کی توہین، تذلیل، تضحیک، تحقیر اور کردارکشی کا رونا روتے ہوئے اس بیان کا ذکر کر کے آخر میں مولوی ظفر علی خاں کا یہ شعر نقل کیا ہے کہ ؎

آپ کہتے ہیں کہ غیروں نے کیا ہم کو تباہ
بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کا یہ کام نہ ہو

پھر دو روز بعد نہایت ڈھٹائی سے ڈاکٹر عبدالسلام مرحوم (نور اللہ مرقدہ) کے خلاف زبان درازی کی ہے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی پی ٹی وی، سرکاری ذرائع اور خود فروش صحافیوں کے ہاتھوں رسوائی پر ماتم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایران اور لیبیا..... دونوں نے امریکیوں ہی کے در پردہ اشارے پر تاریخ کے اس نازک موڑ پر اپنے محسن ملک کے سینے میں تیز دھار خنجر بھونک کر اسے محروم وفا کرنے کی مذموم اور خوفناک سازش کو توانائی فراہم کی ہے۔ ؎

دیکھا جو تیر کھا کے کمین گاہ کی طرف ☆ اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی"

(اخبار دن ۸ فروری ۲۰۰۴ صفحہ ۱۰)

میں علی وجہ البصیرت اور ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ مندرجہ بالا آخری شعر کا انتخاب خدائے قادر توانا کے تصرف خاص سے ہوا ہے اور حقانیت احمدیت کا درخشندہ و تابندہ نشان ہے جس کا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ ٹھیک ایک صدی قبل ۲۷ مارچ ۱۹۰۴ء کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ جل شانہٗ نے الہام فرمایا۔ "بادشاہ وقت پر جو تیر چلاوے اسی تیر سے وہ آپ مارا جاوے" (اخبار بدر ۱۵ جون ۱۹۰۵ء صفحہ ۲)

مبارک ہے وہ جو مولیٰ کریم کے اس محیر العقول اعجاز اور حجت حق کی "ذوالفقار" کی چمک سے اپنے سینۂ صافی کو آسمانی نور کی لافانی بجلیوں سے منور کرتا اور مامور الزمان سے وابستگی کا شرف پاتا ہے کیونکہ روحانی دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی اور ناقابل تسخیر قوت و طاقت نہیں اور برطانیہ، کوریا، امریکہ، فرانس، چین اور روس و جاپان کے اسلحہ خانے اس کے مقابل اتنی بھی حیثیت نہیں رکھتے جتنی حیثیت آفتاب عالمتاب کے بالمقابل ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی ہے۔ آسمانی بجلیوں کی یہ طاقت ایٹم کی طرح زندوں کو مارنے کے لئے نہیں بلکہ مردہ دلوں کو ابدی زندگی عطا کرنے کے لئے ہے۔ حضرت اقدس نے عہد حاضر کے سیاسی اور مادی منظر کی درج ذیل اشعار میں عکاسی کی ہے اور یہ اشعار کم و بیش نوے سال سے فضا میں گونج رہے ہیں۔ ؎

سخت ماتم کے وہ دن ہوں گے مصیبت کی گھڑی
لیک وہ دن ہوں گے نیکوں کے لئے شیریں ثمار
آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

(بشکریہ: الفضل انٹرنیشنل ۲۴ مارچ تا یکم اپریل ۲۰۰۴ء)

آپ بیتی

محمد زبیر منگلا

برکاتِ احمدیت

اردو ادب سے شغف رکھنے والے بعض قارئین افسانے پڑھنے سے دلچسپی رکھتے ہیں۔تاہم مشہور محاورہ ہے کہ ’’حقیقت افسانے سے دلچسپ ہوتی ہے‘‘۔قارئین کی دلچسپی طبع کی خاطر حقائق پر مبنی آپ بیتیوں کا سلسلہ شروع کیا جارہا ہے۔قارئین سے التماس ہے کہ اپنی زندگیوں میں پیش آمدہ دلچسپ اور غیر معمولی حالات و واقعات احاطۂ تحریر میں لائیں اور مجلّہ ھذا کو بھجوائیں۔ضروری نہیں کہ آپ کہنہ مشق لکھاری ہی ہوں۔جس انداز میں بھی لکھ سکتے ہوں،حتّٰی کہ گھر میں کسی کو زبانی لکھواسکیں تو بھی ضرور لکھوا کر بھجوائیں۔نوک پلک درست کرلی جائے گی۔صرف اتنی گزارش پیشِ نظر رہے کہ تحریر بہت طویل نہ ہو۔کاغذ کے ایک طرف اور ایک سطر چھوڑ کر نیز دونوں جانب مناسب حاشیہ (خالی جگہ) چھوڑ کر لکھی گئی ہو تا کہ نوک پلک سنوارنے میں آسانی رہے۔آخر پر فون نمبر بھی درج کردیا جائے تا کہ بوقتِ ضرورت رابطہ کیا جاسکے۔(ایڈیٹر)

مختصر تعارف: خاکسار سرگودھا کے ایک چھوٹے سے قصبہ میں پیدا ہوا۔اس قصبہ کا نام چک منگلا کے علاوہ چک نمبر ۱۶۸۔۱۶۹ بھی ہے۔ہمارے قصبہ میں جماعت کا تعارف ۱۹۵۰ کے قریب وہاں کے ایک نہایت مشہور پیر منور دین صاحب کے ذریعہ سے ہوا۔ یہ پیر صاحب خود تو احمدی نہیں تھے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عارفانہ کلام سے بہت متاثر تھے۔ ہمارے بزرگ مولانا عزیز الرحمان منگلا صاحب اور خاکسار کے والد اللہ بخش منگلا صاحب جو ان پیر صاحب کے بہت قریبی مرید تھے، بیان کیا کرتے تھے کہ پیر صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ کی شان میں لکھا گیا مشہور عربی قصیدہ بڑی رقت سے پڑھا کرتے تھے مگر اس بات کا اظہار کبھی نہیں کیا کہ یہ کس کا کلام ہے۔اس کے علاوہ یہ پیر صاحب وفاتِ مسیح ناصری کے بھی قائل تھے۔

۱۹۵۳ میں احمدیوں کے خلاف برپا شورش سے پیدا ہونے والے حالات کے بعد ہمارے گاؤں میں جماعتِ احمدیہ کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔مولانا عزیز الرحمان منگلا صاحب نے ربوہ جانا شروع کیا اور جماعت کا لٹریچر خاص طور پر مولانا ابوالعطاء صاحب کے الفرقان رسالہ کے ذریعہ مزید معلومات حاصل کیں۔اس سارے مرحلہ میں میرے والد صاحب مولانا عزیز الرحمان منگلا صاحب کے ہمراہ رہے۔اس دوران پیر صاحب کی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے ملاقات بھی کرائی گئی۔القصہ پوری تحقیق اور اطمینان کے بعد مولانا عزیز الرحمان منگلا صاحب اور میرے والد صاحب نے ۱۹۵۴ میں بیعت کرلی۔اس کے نتیجہ میں ہمارے گاؤں میں ایک طوفان برپا ہوگیا۔میرے والد صاحب کو گھر سے نکال دیا گیا،حتّٰی کہ پیر صاحب نے (جو ہمارے گھر میں ہی رہا کرتے تھے) جب یہ دیکھا کہ ان کی پیری مریدی والی گدی کو خطرہ لاحق ہورہا ہے تو انھوں نے بھی حضرت مسیح موعودؑ پر کفر کا فتویٰ لگانے میں دیر نہیں کی۔اس کے نتیجہ میں مذکورہ پیر صاحب کا جو حال ہوا وہ ایک الگ داستانِ عبرت ہے۔انہی ایام میں ہمارے دو بزرگان نے گاؤں کے باہر ایک شاندار جلسہ کا اہتمام کیا، جس میں اسوقت کے جید علماء جن میں مولانا جلال الدین شمس صاحب،مولانا نذیر احمد صاحب لائل پوری، مولانا احمد خان نسیم صاحب، مولانا ابوالعطاء جالندھری صاحب نے پرمعارف تقاریر فرمائیں اور گاؤں کے لوگوں کو احمدیت قبول کرنے کی دعوت دی۔اس جلسہ کا خاطر خواہ اثر ہوا۔

مولانا احمد خان نسیم صاحب (جو کہ امیر جماعت کینیڈا،مکرم مولانا نسیم مہدی صاحب کے والدِ ماجد تھے) کے ہماری جماعت پر بہت احسانات ہیں۔انہی کی مسلسل کوششوں کے ذریعہ سے گاؤں کے تیسرے حصہ نے ایک ہی دن مسجد مبارک میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہاتھ پر اپنی پگڑیاں پھیلا کر بیعت کرلی تھی۔الحمدللہ علی ذالک۔بیعت کرنے والوں میں ہمارا سارا خاندان شامل تھا۔خاکسار کی پیدائش ۱۹۵۶ کی ہے،اس طرح خاکسار کو اپنے گاؤں کا پہلا ’’پیدائشی احمدی‘‘ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

تعلیم: میرے والد صاحب کو بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کا بہت شوق تھا۔اس مقصد کے لئے انھوں نے ربوہ میں ریلوے روڈ پر ایک مکان تعمیر کروایا۔یہ انھی کی دعاؤں اور احمدیت کی برکت تھی کہ ہم تینوں بھائی بفضل اللہ تعالیٰ اچھی تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہوئے۔خاکسار بفضل اللہ تعالیٰ ایم۔ایس۔سی فزکس، بڑے بھائی عبدالرشید منگلا صاحب ایم۔ایس۔سی سٹیٹسٹکس اور ان سے بڑے بھائی عبدالعزیز منگلا صاحب نے مسلسل چار ایم۔اے کئے ہیں۔یہاں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ ہمارے تقریباً سب کے سب ہم عمر غیر احمدی دوست ابھی تک گاؤں میں موجود ہیں اور ان میں سے کسی کو بھی میٹرک سے آگے بڑھنے کی توفیق نہیں ملی۔لاریب یہ برکاتِ احمدیت ہی کا فیض ہے۔

لاہور میں آمد: خاکسار ۱۹۷۱ میں ربوہ سے میٹرک پاس کرنے کے بعد اپنے دونوں بھائیوں، جو کہ ملازمت کے سلسلہ میں رحمان پورہ لاہور میں مقیم تھے، کے پاس لاہور منتقل ہوگیا اور اپنی پڑھائی جاری رکھی۔لاہور میں قیام کے دوران بعض عجیب واقعات بھی پیش آئے جن میں سے چند ایک درج ہیں۔

یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہی تھا کہ ہم تینوں بھائیوں کو جماعت کی حتی المقدور خدمت کرنے کی توفیق ملتی رہی۔ہمارا گھر جماعتی سرگرمیوں کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ایک

عرض کیا کہ مجھے ٹیسٹ دینے میں تو کوئی تعامل نہیں مگر آپ نے دوسرے طلباء سے تو ٹیسٹ نہیں لیا۔اس پر پروفیسر صاحب کہنے لگے کہ ہاں مگر تمہارا کیس اسپیشل ہے!! یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ خاکسار کے نمبر پہلے داخل شدہ آٹھ طلباء سے زیادہ تھے۔ بہرحال خاکسار ٹیسٹ لکھنے بیٹھ گیا۔ٹیسٹ کے دوران ہی ارشد صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم ربوہ کالج میں داخلہ کیوں نہیں لیتے۔اور فرمایا کہ پروفیسر ڈاکٹر نصیر خان صاحب (جو اسوقت ٹی آئی کالج ربوہ میں شعبہ فزکس کے انچارج تھے) میرے دوست ہیں اور میں سفارش کردوں گا اور تمہیں داخلہ مل جائے گا۔خاکسار نے عرض کیا کہ سر آپ مجھے ٹیسٹ دینے دیں اور یہ باتیں بعد میں کرلیں گے۔ٹیسٹ مکمل ہونے پر خاکسار نے عرض کیا کہ پروفیسر نصیر خان صاحب میرے رشتہ دار ہیں (میرے رشتہ میں کزن ڈاکٹر عنایت اللہ منگلا صاحب کی بیگم پروفیسر نصیر خان صاحب کی بیٹی ہیں)اور وہاں مجھے داخلہ کا کوئی مسئلہ نہیں، مگر میں اپنے بھائیوں کے پاس یہاں لاہور میں رہنا چاہتا ہوں۔اس پر پروفیسر صاحب فرمانے لگے کہ پھر تو تمھیں داخلہ دینے کیلئے میں ''استخارہ'' کروں گا اور پھر دیکھوں گا کہ تمہیں داخلہ دیا جائے یا نہیں۔ مجھے یقیں ہوگیا کہ یہ شخص محض بہانے بازی کررہا ہے لہذا پہلے تو مجھے انکار ہی کرے گا اور اگر داخلہ دے بھی دے تو دورانِ تعلیم بہت تنگ کریگا۔چنانچہ میں نے وہیں فیصلہ کرلیا کہ اس جگہ کوشش کرنا بے سود ہوگا۔خاکسار نے پروفیسر صاحب سے عرض کیا کہ سر اگر آپ داخلہ دینے کیلئے استخارہ کریں گے تو میں بھی استخارہ کروں گا کہ مجھے اس کالج میں آنا چاہیے یا نہیں۔اس پر پروفیسر صاحب نے بڑے تکبر سے فرمایا کہ'' تمہاری نمازوں کو کون مانتا ہے''۔میں اسی وقت پروفیسر صاحب کے سامنے بائیکل پر بیٹھا اور پنجاب یونیورسٹی نیوکیمپس کی طرف چل پڑا جہاں پر اسی دن داخلہ کی فائنل لسٹیں لگنی تھیں۔

جب میں اس افسردگی کی حالت میں پنجاب یونیورسٹی پہنچا تو یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہاء نہ رہی کہ لسٹ میں باون ویں نمبر پر خاکسار کا نام درج تھا۔خداوند تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا کہ اس نے محض اپنے فضل سے ایک انتہائی متعصب شخص کے روّیے اور ایک بڑے ابتلاء سے محفوظ رکھا۔خداتعالیٰ نے ان پروفیسر صاحب کو'' ھل من مزید'' کی کیفیت میں کچھ اسطرح مبتلا کیا کہ وہ پنجاب یونیورسٹی میں انڈر گریجوئٹ کلاسز کو پڑھانے آیا کرتے تھے اور تقریباً ہر روز ان سے آمنا سامنا ہوتا تھا۔جس دن خاکسار نے ایم۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کرلی تو سیدھا ارشد صاحب کے پاس پہنچا اور انہیں یہ ''خوشخبری'' سنائی۔انہوں نے بڑے کھسیانے انداز میں ''مبارکباد'' دی۔

وقف برائے افریقہ: تعلیم مکمل کرنے کے بعد خاکسار نے والد صاحب کی خواہش کے مطابق اپنی خدمات ''نصرت جہاں'' کی بابرکت تعلیمی سکیم کیلئے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں پیش کردیں۔انٹرویو کے بعد حضورؒ نے خاکسار کی تقرری بطور ٹیچر نائیجیریا ویسٹ افریقہ میں فرمادی۔اسطرح خاکسار کو جون ۱۹۸۰ء سے لیکر ستمبر ۱۹۸۶ء تک Ahmadiyya Secondary School Aiyegunle Gbedde Kwara State Nigeria (West Africa) میں بطور مشنری ٹیچر خدمات بجالانے کی توفیق ملی الحمدللہ۔یہاں یہ ذکر کرنا میرے لئے قابلِ فخر ہے کہ ۱۹۸۰ء میں محض خداتعالیٰ کے فضل سے خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ (جبکہ حضور دورہ افریقہ کیلئے تشریف لے جارہے تھے) کی معیت میں لاہور سے کراچی تک کا سفر ایک ہی جہاز میں کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔اور اس طرح کراچی ایر پورٹ پر بھی کافی دیر تک حضورؒ کے ساتھ وقت گزارنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ایں سعادت بزوربازو نیست

مذکورہ سکول کوارا سٹیٹ کے ایک پس ماندہ علاقہ میں واقع تھا جہاں پر نہ بجلی اور نہ پانی کا کوئی مناسب انتظام تھا۔خاکسار کے علاوہ دیگر مشنری ٹیچرز نے بڑے نامساعد حالات میں خدمات بجا لائیں۔خدا تعالیٰ ان سب کو جزائے خیردے۔دعا کی خاطران اساتذہ کے نام یہ ہیں۔مکرم خالد محمود نعیم صاحب(پرنسپل)،مکرم عبدالقادر مبشر صاحب، مکرم محمود احمد ناصر صاحب،مکرم رفیق احمد فوزی صاحب(مرحوم)،مکرم ذکریا انوری صاحب، مکرم فضل احمد شاہد صاحب، مکرم عبدالحکیم منور صاحب،مکرم عبدالقادر مبشر بھٹی صاحب۔ان تمام اساتذہ نے اس سکول کا آغاز گریڈ ۶ سے کرکے اسے کامیابی سے گریڈ ۱۰ تک بڑھایا۔جماعت کے بطلِ جلیل پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی اعانت سے اس سکول میں فزکس ، کیمسٹری،بیالوجی اور ایگری کلچر کی شاندار لیبارٹریاں قائم کی گئیں۔خداوند کریم مکرم ڈاکٹر صاحب کو جنت الفردوس میں جگہ دے (آمین) جب سکول کے طلباء کو پہلی مرتبہ

WAEC (West African Examination Council)

کے امتحان کیلئے بھیجا گیا تو محض خداتعالیٰ کے فضل سے پوری سٹیٹ کے تین سو سکولوں میں سے تیسرے نمبر پر رہا اور اس طرح جماعت اور سکول کا نام روشن ہوا۔سٹیٹ کے وزیرِ تعلیم نے اس پر نہ صرف خوشنودی کا اظہار فرمایا بلکہ اس خواہش کا اظہار بھی کیا کہ وہ اپنے بچوں کو بھی اسی سکول میں بھجوانے کا خواہش مند ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خدمت میں حاضری: ۱۹۸۶ء

میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے پہلی مرتبہ لندن میں جلسہ سالانہ پر حاضر ہونے کا موقع ملا۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا حضورؒ نے خاکسار کے چھ سالہ وقف پر خوشنودی کا اظہار فرمایا نیز حکماً فرمایا کہ'' نسیم مہدی صاحب کو میری طرف سے کہو کہ تمہارا کینیڈا جانے کا انتظام کریں'' چنانچہ خاکسار نے مکرم امیر صاحب جو اس سال جلسہ پر لندن تشریف لائے ہوئے تھے ، سے ملکر حضور کا پیغام ان تک پہنچادیا۔مکرم امیر صاحب بڑے پرتپاک طریقے سے ملے اور فرمایا کہ واپس جاکر نائیجیریا سے ویزا کی کوشش کروں۔واپس نائیجیریا پہنچا تو دوستوں نے مشورہ دیا کہ کینیڈا کا ویزا لینے کیلئے پہلے اگر امریکہ کا ویزا لے لیا جائے تو کینیڈین ایمبیسی فوراً ویزا دے دیتی ہے۔ چنانچہ اگلے دن ہی لیگوس میں امریکن ایمبیسی چلا گیا۔انھوں نے کاغذات چیک کرنے کے بعد ویزا دینے سے انکار کردیا اور پاسپورٹ پر انکار کی مہر لگا دی۔ بڑی پریشانی ہوئی مگر اس بات پر پورا یقین بھی تھا کہ حضورؒ کا ارشاد ضرور پورا ہوکر رہے گا۔ایک ماہ بعد ایک دوسرے

دفعہ ہمارے ایک رشتہ دار گاؤں سے جب پہلی بار ہم سے ملنے لاہور تشریف لائے تو رکشہ لیکر رحمان پورہ تک تو پہنچ گئے مگر ہمارے گھر کا پتہ کہیں گم کر بیٹھے۔ اسی سوچ میں ان کو خیال آیا کہ کیوں نہ کسی احمدی کا گھر پوچھ لیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے سامنے سے آنے والے شخص سے یہی سوال کیا تو اس نے انھیں ساتھ چلنے کو کہا۔ ہمارے گھر کے سامنے لا کر اس نے کہا کہ ''ویسے تو میں ان کا سخت مخالف ہوں لیکن یہ گھر ''مرزائیوں'' کا گڑھ ہے''۔ دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز پر خاکسار نے اندر سے دروازہ کھولا۔

اس دوران ہمیں ایک ایسے کرایہ کے مکان میں منتقل ہونا پڑا جس کا مالک اسلم نامی جماعتِ اسلامی کا سرگرم رکن تھا اور اس کا چال چلن بھی بہت مشکوک تھا۔ اسے شروع میں یہ معلوم نہ تھا کہ ہمارا تعلق جماعتِ احمدیہ سے ہے ورنہ شائد اس گھر میں آنا کسی رنگ میں ممکن نہ ہوتا۔ بہرحال معلوم پڑنے پر اور اس کے معاندانہ رویہ کے پیشِ نظر ہم نے نئے مکان کی تلاش شروع کردی جبکہ اس شخص نے بھی اپنا اصلی روپ دکھانا شروع کر دیا۔ جب ہم میں سے کوئی بھائی بھی گھر میں نہ ہوتا تو اونچی آواز میں گھر میں موجود خواتین پر آوازیں کستا کہ ''مرزائیو! تم ایسے ہو اور ویسے ہو''۔ اور حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کو گالیاں دیتا۔ ایک دن جبکہ وہ اسی شغلِ بد میں مصروف تھا کہ بڑے بھائی جان اچانک دفتر سے جلدی گھر آ گئے۔ بھائی جان بھی اسکی گالی گلوچ سن کر جوش میں آ گئے اور اسے پکڑ کر اسکی خوب ''مرمت'' کر ڈالی۔ اس دوران وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور کئی دنوں تک گھر سے غائب رہا۔ چنانچہ ہم نے فوراً ہی ایک اور جگہ جو کہ رہنے کے لحاظ سے کچھ زیادہ مناسب نہ تھی، نقل مکانی کرلی۔ اسلم کو اپنی پٹائی کا واقعہ یاد تھا اور وہ واپس آ کر بدلہ لینے کا موقع تلاش کرنے لگا۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد مولانا مودودی کی وفات ہوگئی۔ ان کا جنازہ قذافی سٹیڈیم سے واپس اچھرہ کی طرف رواں دواں تھا کہ اس دوران مجھ سے بڑے بھائی عبدالرشید صاحب بائیکل پر سوار اپنے دفتر سے واپس گھر آ رہے تھے کہ اچھرہ موڑ پر ٹریفک اور جنازہ کے گزر جانے کا انتظار کرنے لگے۔ اسلم جو کہ جنازہ میں شریک تھا، کی نظر اچانک بھائی پر پڑی اور اس نے لوگوں کو ورغلاتے ہوئے بدلہ لینے کی خاطر شور مچادیا کہ دیکھو یہ ''مرزائی کتا! مودودی صاحب کو گالیاں دے رہا ہے''۔ بس پھر کیا تھا جنازہ میں شریک لوگوں نے بھائی پر بھرپور حملہ کردیا اور مار مار کر انھیں لہولہان کردیا۔ بھائی نے بھاگ کر ایک قریبی پولیس تھانہ میں پناہ لی اور ایک ذمہ دار سپاہی کے تعاون سے ان ظالم لوگوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اسلم ایک بار پھر گھر سے خوف کے مارے غائب ہوگیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسلم ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہوگیا جسکے نتیجہ میں وہ اس قدر لاغر ہوا کہ اسے ہسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ اسلم کا کوئی دوست یا رشتہ دار اس کی بیمار پرسی کیلئے وہاں نہ آتا تھا، یہ ہسپتال بھائی رشید صاحب کے دفتر کے قریب پڑتا تھا، چنانچہ بھائی ہی اسکی بیمار پرسی اور دیکھ بھال کرتے رہے جن کو محض مذہبی نفرت کے باعث یہ شخص جان سے مارنے کی ترکیبیں سوچا کرتا تھا۔ خداوند کریم کیتقدیر بھی عجیب ہے اور وہ اپنے مامور کے ماننے والوں کے لئے کتنی غیرت رکھتا ہے۔

اسلم جس کی عمر صرف ۳۵ سال تھی، اسی بیماری کے ہاتھوں بالآخر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

۱۹۷۴ میں مولویوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کے شعلے لاہور کے حلقہ رحمانپورہ میں بھی پہنچے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، ہمارا گھر چونکہ جماعتی سرگرمیوں کا مرکز تھا اس لئے سوشل بائیکاٹ کی خاطر ہمارے گھر کے اردگرد زبردست پہرہ (پکٹنگ) لگا دیا گیا تا کہ ہم کھانے پینے کی کوئی چیز اندر نہ لا سکیں (چودھویں صدی کے مولویوں کا اخلاقی نمونہ!) ہم نے خوراک کا سٹاک ختم ہونے پر دو راتیں انتہائی دکھ اور صبر کے ساتھ بھوک سے بلکتے بچوں کی چیخ وپکار میں گزاریں مگر ان حیوانوں کو ذرا بھر رحم نہ آیا۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ خاکسار بچوں اور عورتوں کو لیکر صبح کے وقت جبکہ پہرہ دار اونگھ رہے ہوں، یہاں سے نکل کر کسی طرح سے گاؤں پہنچ جائیں جو کہ مولویوں کی شرارتوں سے ابھی تک محفوظ تھا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ہمارے چلے آنے کے بعد پہرہ اگرچہ جاری رہا مگر اس کی سختی میں مسلسل کمی آتی گئی۔ ہمارے محلّہ میں ایک اور احمدی دوست جنکی پانچ بیٹیاں تھیں اور گھر کا سامان لانے والا کوئی نہ تھا، کے گھر کے اردگرد بھی سخت پہرہ بٹھادیا گیا تھا۔ میرے بڑے بھائی عبدالعزیز صاحب صبح کے وقت ان کیلئے بازار سے دودھ وغیرہ لا کر دینے کا انتظام کیا کرتے تھے۔ ایک دن ان ظالموں نے بھائی کو ایسا کرتے دیکھ لیا اور خوب پٹائی کی۔

خاکسار نے جب ایف۔ سی کالج لاہور سے بی۔ ایس۔ سی پاس کرلیا تو چھٹیوں پر گاؤں چلا آیا۔ اس دوران ایم۔ ایس۔ سی کی کلاسز میں داخلوں کی کاروائی شروع ہوچکی تھی اور مجھے کسی وجہ سے اس کی اطلاع نہ ہوسکی۔ میں جب واپس لاہور پہنچا تو سوائے پنجاب یونیورسٹی کے سب جگہ داخلے مکمل ہوچکے تھے۔ میں نے فوراً پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فزکس میں داخلہ کی درخواست دیدی۔ اس سال بھٹو حکومت کے سیاسی بحران کی وجہ سے دو سال کی کلاسز اکٹھی کی گئی تھیں اور داخلوں کیلئے سخت مقابلہ تھا۔ صرف پنجاب یونیورسٹی کی ساٹھ سیٹوں کیلئے پندرہ سو درخواستیں تھیں اور مجھے داخلہ کی امید بہت کم تھی۔ اس دوران مجھے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ کالج آف سائنس لاہور میں امسال ایم ایس سی فزکس کی کلاسز کا اجرا ہوا ہے۔ گو وہاں داخلے تو مکمل ہوچکے ہیں مگر بارہ سیٹوں پر صرف آٹھ طلباء نے درخواست دی ہے اور چار سیٹیں ابھی خالی ہیں۔ اسی کالج میں ہمارے ایک احمدی پروفیسر جناب رانا سردار احمد صاحب فلسفہ پڑھایا کرتے تھے (یہ وہی پروفیسر ہیں جنہوں نے پنجاب یونیورسٹی میں فلسفہ کے مضمون میں پروفیسر قاضی محمد اسلم صاحب، سابق ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ کالج لاہور و سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ کا قائم کردہ ریکارڈ توڑا تھا، اور بعد میں جج کے عہدہ پر متمکن ہوئے) کی سفارش کروائی اور مجھے حکم ہوا کہ اگلے دن کالج پہنچ جاؤں۔ چنانچہ میں جب کالج پہنچا تو معلوم ہوا کہ شعبہ فزکس کے چیئرمین جناب ارشد صاحب ہیں (وہ جماعتِ اسلامی کے ممبر اور ایک فٹ لمبی داڑھی رکھتے تھے)۔ ارشد صاحب نے مجھے اپنے دفتر بلا کر کہا کہ تمہیں داخلے کے لئے ٹیسٹ دینا ہوگا اور کیا میں ٹیسٹ کیلئے تیار ہوں؟ ۔ خاکسار نے

شہر کاڈونا میں امریکن ایمبیسی میں درخواست دی اور انھوں نے بھی پاسپورٹ پر دوسری انکار کی مہر ثبت کردی۔اس دوران نائیجیرین حکومت نے اعلان کردیا کہ تمام غیر ملکی اساتذہ کو نوکریوں سے فارغ کردیا جائے گا۔قریباً ایک ماہ بعد ایک مرتبہ پھر لیگوس میں امریکن ایمبیسی میں ویزا کی درخواست کے بدلے تیسری انکار کی مہر لگ گئی۔اب تو پریشانی انتہا تک پہنچ گئی تھی اور خداوندکریم کے حضور گڑگڑایا کہ اب تو سوائے پاکستان واپسی کے کوئی صورت نظر نہیں آتی۔جبکہ پاکستان میں احمدیوں کے ساتھ روا رکھے جانیوالے امتیازی سلوک کی وجہ سے خاکسار پاکستان جانا نہیں چاہتا تھا۔ اگلے ہی دن خاکسار کینیڈین ایمبسی کے دفتر میں ویزا کے حصول کیلئے حاضر ہوگیا۔وہاں پر میرے ایک پرانے دوست مکرم رانا فرخ صاحب (جو کافی عرصہ سے کینیڈین نیشنل تھے اور نائجیریا میں بطور ٹیچر کام کرتے تھے) سے ملاقات ہوئی۔میں نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا، انھوں نے کہا کہ جب تمہاری باری آئے تو مجھے بتا دینا۔چنانچہ جب میرا نام پکارا گیا تو مکرم رانا صاحب میرے ساتھ تشریف لے گئے۔انھوں نے کاؤنٹر پر موجود عورت سے کہا کہ مسٹر منگلا میرے دوست ہیں اور میں ان کی کینیڈا میں رہائش اور کھانے پینے کا ذمہ دار ہوں گا اور ساتھ ہی اپنا Canadian Citizenship Card اس کے آگے رکھ دیا۔اس عورت نے ہماری طرف دیکھا اور پاسپورٹ کو درمیان سے کھولا جہاں پر فرانس کا پرانے وقت کا ویزا لگا ہوا تھا۔اگر پاسپورٹ آخر سے کھلتا تو اسے امریکہ کی تین انکار کی مہریں واضح نظر آجاتیں مگر خداوندتعالیٰ نے اپنے خلیفہ کی بات بھی تو پوری کرنی تھی۔اس عورت نے ایک ماہ کا ویزا لگا کر پاسپورٹ واپس کیا اور ساتھ ہی شوخی آمیز انداز کیساتھ مسکراتے ہوئے کہنے لگی کہ I know you are not coming back باہر نکل کر سب سے پہلے اپنے رب کا اور پھر مکرم رانا صاحب کا شکریہ ادا کیا جو ایک فرشتہ بن کر حضورؒ کی فرمائی ہوئی بات کو پورا کرنے میں مدومعاون ثابت ہوئے۔

کینیڈا کیلئے روانگی: خاکسار ستمبر ۱۹۸۶ء کو بذریعہ نائجیریا ایرویز لندن پہنچا۔چند دنوں کے بعد لندن سے ٹورنٹو براستہ نیویارک Pan Am کی پرواز کے ذریعہ جانا تھا۔جب میں ٹکٹ کی booking کیلئے Pan Am کے دفتر پہنچا تو انھوں نے پوچھا کہ کیا میرے پاس امریکہ کا ویزا ہے جس کا جواب نفی میں پاکر انہوں نے کہا کہ ایک پاکستانی کو ٹرانزٹ کیلئے بھی ویزا درکار ہے۔چنانچہ انھوں نے مجھے لندن میں امریکن ایمبیسی ٹرانزٹ ویزا کیلئے بھیجا۔امریکن ایمبیسی نے چوتھی انکار کی مہر ایک بار پھر لگا دی۔اب صورتحال یہ تھی کہ میں نے ٹکٹ نائیجیرین کرنسی میں خریدا تھا اور Pan Am والے کسی رنگ میں بھی واپس یا تبدیل کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ساتھ والے امیریکن ایکسپریس کے دفتر سے پتہ کیا تو انھوں نے کہا کہ ٹورنٹو کا واپسی کا نیا ارجنٹ ٹکٹ مبلغ چھ سو پونڈ کا ملے گا۔میں نے نائجیریا سے کچھ رقم لندن کے ایک بینک میں بھجوائی ہوئی تھی مگر ابھی اسکی جملہ کاغذی کاروائی کی تکمیل میں کافی عرصہ باقی تھا۔چنانچہ ہر جگہ سے مایوس ہوکر میں مسجد فضل لندن کے سامنے سر جھکائے دعاؤں میں مصروف تھا۔اس دوران ایک ٹیکسی میرے سامنے آکر رکی اور ڈرائیور نے باہر نکل کر حیرت سے مجھے گلے لگایا اور پوچھا منگلا صاحب! آپ یہاں کیا کررہے ہیں؟ یہ میرے لاہور کے پرانے دوست مکرم طارق صاحب تھے، جو مجلس خدام الاحمدیہ رحمانپورہ لاہور کے قائد اور خاکسار انکے ساتھ معتمد کا کام کرتا رہا تھا۔میں نے ان سے سارا ماجرا عرض کردیا۔خداوندکریم طارق صاحب کا بھلا کرے، انھوں نے اپنی سب جیبوں کی تلاشی لی اور پھر ٹیکسی کے اندر چیک کیا اور پورے چھ سو پونڈ کی رقم میرے حوالے کردی۔اس وقت شام کا وقت ہورہا تھا۔میں فوری طور پر امریکن ایکسپریس کے دفتر پہنچا اور ارجنٹ ٹکٹ خریدی اور صرف دو گھنٹوں کے بعد بذریعہ AIR CANADA عازم ٹورنٹو ہوا اور بتاریخ ۲۷ ستمبر ۱۹۸۶ء بفضل اللہ تعالیٰ بخیروعافیت کینیڈا پہنچ گیا۔

ہوا میں تیرے فضلوں کا منادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

مذکورہ بالا ذاتی واقعات احاطۂ تحریر میں لانے کا مقصود فقط خداتعالیٰ کے بے پایاں احسانات وفضلوں پر اظہارِ تشکر ہے کہ محض خلافتِ احمدیہ سے وابستگی کی برکات کے ناطے ہجوم مشکلات و ناممکنات میں بھی خداتعالیٰ کی غیر معمولی نصرت شاملِ حال ہوکر ہم احمدیوں کے بگڑے ہوئے کام بھی سنوار دیا کرتی ہے۔

پہرے

دعویٰ عشق پہ تعزیر، وفا پر پہرے!
دل کی آواز پہ قدغن ہے دعا پر پہرے!
کوئی دیوانہ سر دشت وفا مست آئے
ہائے اس دیس میں ہیں اہل وفا پر پہرے
ڈال سکتے ہو زبانوں پہ جفا کے تالے!
تم بٹھا سکتے نہیں آہ رسا پر پہرے!
پھولتا پھلتا چلا جاتا ہے احمد کا شجر
باغبانو! ذرا اس نشو و نما پر پہرے!
جانتے ہو کہ خدائی ہے ہماری دشمن!
اک خدا ہی تو ہمارا ہے۔ خدا پر پہرے؟
وقت ہے ہاتھ سے نہ وقت نکل جائے کہیں!
اس کے ہاں دیر تو ہے۔سوچ لو۔اندھیر نہیں!!

(پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی)

منقولات
بسلسلہ ۲۳ مارچ
(یومِ پاکستان)

تحریکِ پاکستان اور جماعتِ احمدیہ

تحریکِ قیامِ پاکستان کے ایک سرگرم (غیر از جماعت) کارکن کی حقیقت بیانی

چند تلخ وشیریں تاریخی حقائق، تجزیئے اور تجربے

بیگ حسن اختر نام ہے ایک ایسے بزرگ قلمکار کا۔ جس نے نہ صرف پاکستان کو اپنی آنکھوں کے سامنے بنتے دیکھا۔ بلکہ نوجوان کالج اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے گرم خون رکھتے ہوئے بانی پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناح کی مسلم لیگ میں طلباء کے ہراول دستے کے طور پر تحریکِ پاکستان میں سرگرم حصہ بھی لیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیرانہ سالی اور متعدد جسمانی عوارض کے باوجود آج بھی مخالفینِ قیامِ پاکستان کی باقیات میں سے جب کوئی تاریخی حقائق کو مسخ کر کے آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتا ہے تو بیگ صاحب کا قلم شمشیر برہنہ بن کر ملمع کاری اور دجل وفریب کے پردے چاک کرنے کیلئے فوراً حرکت میں آجاتا ہے۔ اخبار نوائے وقت کے علاوہ مقامی ہفت روزہ میں محترم بیگ صاحب کا قلم، زندگی کے سود وزیاں سے بالا ہو کر کلمۂ حق کہنے اور مذہبی وسیاسی بہروپیوں اور رہزنوں کی نشان دہی کرنے میں جتا رہتا ہے۔ پچھلے دنوں مقامی اردو ہفت روزہ میں ایک علمی مکالمہ کے دوران جماعتِ احمدیہ کا تذکرہ چھڑ جانے پر کسی لگی لپٹی کے بغیر اپنے مشاہدات وتجربات بیان کرتے ہوئے تحریکِ قیامِ پاکستان میں جماعتِ احمدیہ کے تاریخی کردار پر بھی بے لاگ تبصرہ رقم کیا۔ تاریخی حقائق کے یوں برملا اظہار پر (جبکہ اِس دورِ کم سواد میں جماعتِ احمدیہ کے حق میں دو بول کہہ دینا گویا بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف ہو) بیگ صاحب کا فون پر شکریہ ادا کیا گیا تو کہنے لگے کہ:

”میں آپ کی جماعت کے مخالفین، جو آپ لوگوں کی حب الوطنی پر شک کا اظہار کرتے ہیں، سے صرف ایک سوال پوچھا کرتا ہوں کہ اگر یہ جماعت پاکستان سے مخلص نہ ہوتی تو یہ لوگ قادیان میں اپنے بنے بنائے مرکز کو چھوڑ کر دیگر مسلمان مہاجرین کی طرح ہجرت کی صعوبتیں برداشت کر کے پاکستان کیوں آتے......؟!“

جناب بیگ صاحب اور ”پاکستان اسٹار“ کے شکریہ کیساتھ ان کا مذکورہ تبصرہ، نذرِ قارئین ہے، اِس دعا کے ساتھ کہ شافیٔ مطلق بیگ صاحب کو صحت وتندرستی اور عمرِ طویل سے نوازے۔ تاکہ منافقوں اور کذب طرازیوں کے اِس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں موصوف کا بیباک قلم، حق گوئی کے چراغ تا دیر جلاتا رہے۔ بزبانِ فیضؔ

حلقہ کیئے بیٹھے رہو ایک شمع کو یارو
کچھ روشنی باقی تو ہے ہر چند کہ کم ہے

(ایڈیٹر)

”جی قارئین کرام السلام علیکم، مزاج شریف

مجھے اپنی خصوصی دعاؤں میں شامل رکھیے کہ میری میڈیکل رپورٹس کچھ اچھی نہیں ہیں۔ پچھلے ہفتے کے ای سی جی سے معلوم ہوتا ہے کہ میرا ایک گردہ بھی ناکارہ ہوگیا ہے۔ گویا اب ایک آنکھ، ایک کان اور ایک گردہ کیساتھ گاڑی چل رہی ہے۔ میرے لئے دعائیں یہ کریں کہ خداوند کریم کسی قسم کی مجبوری، معذوری اور محتاجی نہ دے آمین ثم آمین۔ وگرنہ ؎

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج انکی کل اپنی باری ہے

معذرت کے ساتھ تھوڑی سی ذاتی بات اسلئے کہ اس میں سے ایک ملکی وملی پہلو بھی نکلتا ہے۔ وہ اسطرح کہ دو ہفتے پہلے میں نے ایک آرٹیکل بعنوان ”اٹوٹ انگ کہ ٹوٹ انگ فیصلہ آپ کریں“۔ بحوالہ مسئلہ کشمیر ریاستہائے حیدر آباد دکن، جونا گڑھ، منادر لکھا تھا اسکے ساتھ ہی میں نے تھرڈ آپشن والوں کو مقدور بھر مناسب جواب بھی دیا تھا۔ پھر کھر صاحب کے بھٹو پھانسی کیس والے بیان کے جواب میں دیئے گئے ایک ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر صاحب کی نفی کرتے ہوئے میجر جنرل راحت صاحب کو بتایا تھا کہ مرے کالج سیالکوٹ میں وہ میرے جونیئر ساتھی تھے اور میں انکو خوب جانتا تھا اور ہوں۔ لیکن گزشتہ ہفتے ایڈیٹر صاحب نے اسکو بالکل ہی صاف کر دیا اور اس ہفتے میں بھی صرف ستاروں کی کہانی شائع کر دی اور متذکرہ بالا آرٹیکل کو خلاف توقع پھر اڑا دیا ہے۔ نہ معلوم کیوں اور کیا چیز طبع نازک پر گراں گزری ہے؟ بہرحال فارسی کا ایک مصرعہ ملاحظہ فرمایئے۔ کیا خوب کہا ہے کسی نے ع

نازک مزاج شاہ جہاں تاب سخن نہ دارد

اور ہمارا معاملہ ہے قہر درویش بر جانِ درویش والا۔ اس آرٹیکل میں چوتھی بات ایک توجہ طلب خرافہ ہی تھی، تاہم مجھے اس کے نہ شائع ہونے کا افسوس ہوا ہے۔ لیکن ”پاکستان اسٹار“ کے تازہ شمارے نے اس کا ایک اور موقع فراہم کر دیا ہے یعنی ناصر ونیس صاحب کے ”جواب الجواب“ نے۔ عزیزانِ من، آپ کچھ بھی کہیں لیکن مجھے اس بات پر فخر ہے

کہ حضرت قائد اعظم کے جملہ فرمودات میرے لئے حرف آخر ہیں۔اور میرا ایمان ہے کہ انہیں میں ہماری بقاء وسلامتی اور ترقی وخوشحالی کا راز پنہاں ہے۔.......

{یہاں بیگ صاحب کا اشارہ قائداعظم کے اُن جملہ فرمودات کی طرف ہے جو قائداعظم نے سری نگر کشمیر کی پریس کانفرنس میں کہے تھے اور جسے ''پاکستان اسٹار'' میں متذکرہ علمی مکالمہ کے ''جواب الجواب'' میں درج کیا گیا تھا۔ قائداعظم نے اس پریس کانفرنس میں کہا تھا:-

> ''مجھ سے ایک پریشان کن سوال پوچھا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے مسلم لیگ کا ممبر کون بن سکتا ہے؟ یہ سوال خاص طور پر **قادیانیوں** کے بارے میں پوچھا گیا ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ جہاں تک ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے آئین کا تعلق ہے اسمیں درج ہے کہ ہر مسلمان بلا امتیاز فرقہ وعقیدہ مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے...... میں جموں وکشمیر کے مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ **فرقہ وارانہ سوالات** نہ اٹھائیں بلکہ ایک پلیٹ فارم پر اور ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ اسی میں مسلمانوں کی بھلائی ہے۔ اس سے نہ صرف مسلمان مؤثر طریقے سے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشرتی ترقی کر سکتے ہیں بلکہ دیگر اقوام بھی اور بحثیت مجموعی ریاست کشمیر بھی''۔
>
> ....اقتباس از: روزنامہ انقلاب لاہور یکم جون ۱۹۴۴ء۔ ناقل}

........صوبائی تعصب اور فرقہ بازی کے سخت خلاف ہوں۔صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی۔ میرا ذاتی جو بھی عقیدہ ہے اس میں کھرا ہوں۔اس کے لئے میں خود خدائے بزرگ وبرتر کے حضور جواب دہ ہوں۔اور میری قبر میں میں نے ہی جانا ہے کسی اور نے نہیں۔ اسلیئے جو کچھ کہنے اور لکھنے جا رہا ہوں اسکو اسی تمہید کی روشنی میں آپ بھی پڑھیئے، جانچیئے اور غور فرمایئے گا۔ مشکور ہوں گا۔

قارئینِ کرام! دروغ برگردنِ راوی کہتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء کے تاریخ ساز الیکشنز سے پہلے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم ومغفور نے حضرت قائدِاعظم سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ'' مسٹر جناح میں خود اور میری جماعتِ احرارِ اسلام آنے والے الیکشنز میں مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے، بشرطیکہ آپ قادیانی، احمدی جماعت کے کافر (خارج الاسلام) ہونے کا اعلان کردیں''۔اس پر قائدِ اعظم نے برملا کہا کہ مولانا میں کسی کلمہ گو مسلمان کو کبھی بھی کافر اور خارج از اسلام نہیں کہوں گا۔ ووٹ آپ لوگ مجھے دیں یا نہ دیں، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

چنانچہ ۱۴۔اگست ۱۹۴۷ء تک بخاری صاحب قائدِ اعظم کو برا بھلا ہی کہتے رہے جو سب کچھ میں نے اپنے کانوں سے بھی سنا۔مختلف جلسوں میں مختلف شہروں اور مقاموں پر جا کر بالکل اسی طرح جسطرح کہ ان دنوں یہاں کینیڈا میں بیروں اور خانساموں کا گروہ مخصوص مقاصد کے تحت ان کی شراب نوشی کے قصے مجلسوں اور اخبارات میں لہک لہک کر بیان وتحریر فرما رہا ہے۔''کہ بھتہ بولتا ہے'' حالانکہ پس مرگ........

قارئینِ کرام !مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم ومغفور کی جماعتِ احرارالاسلام اور احمدیہ جماعت کی ۱۹۴۶ء کے تاریخ ساز الیکشنز کے حوالے سے ایک سیاسی و تاریخی حقیقت ہے کہ جس کا میں عینی شاہد ہوں، کا احوال پیش نظر کرتا ہوں۔خدا کو حاظر ناظر جان کر بلا کسی خوف وخطر کے۔وہ اسطرح کہ لاہور شہر کی دو مسلم سیٹیں تھیں۔ایک اندرونِ شہر سے جسکے مسلم لیگی امیدوار تھے میاں امیرالدین مرحوم ومغفور۔اور ایک بیرونِ لاہور سے کہ جسکے مسلم لیگی امیدوار تھے میاں عبدالعزیز مالواڑہ۔ دونوں سیٹیں مسلم لیگ کی پکی تھیں۔اس وقت کے ڈپٹی کمشنر لاہور دی اے جعفری صاحب نے یونینیسٹ حکمرانوں کے اشارے پر ہر دو مسلم لیگی امیدواروں کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کردیے اور مسلم لیگ کیمپ میں بھونچال برپا ہوگیا۔متبادل ڈھونڈھے گئے تو ایک موچی دروازہ اندرون کے ملے،وزیر محمد عرف جیرا اور ایک مزنگ کے احراری مولانا، نام جن کا میں اب بھول گیا ہوں۔با قاعدہ مکمل مشرقی تراش خراش،باریش حلیہ اور ماتھے پر محراب والے۔دونوں نے باغ بیرون موچی دروازہ میں آکر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی اور اپنی وفاداری کا عہد کیا۔مسلم لیگ نے دونوں کو ٹکٹ دے دیے۔اور دونوں ہی کامیاب ہوکر ایم پی اے بن گئے۔حلقہ تحصیل شکر گڑھ سے یونینیسٹ امیدوار تھے مرحوم عبدالرحیم چوہدری۔اور مسلم لیگ کے امیدوار تھے عبدالغفور قمر صاحب جن کو بڑی محنت کے بعد کامیابی ملی جسمیں اسلامیہ کالج کے اسٹوڈنٹس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

قارئینِ محترم !تحصیل بٹالہ کی مسلم لیگ سے امیدوار تھے ایک مسلم لیگ ٹکٹ پر اور ایک آزاد امید وار تھے، چوہدری فتح محمد سیال از قادیان۔اس حلقہ سے آزاد امیدوار چوہدری فتح محمد سیال آف قادیان کامیاب ہوئے۔

(نوٹ :مسلم لیگی امیدوار کی ممکنہ کمزور پوزیشن کی وجہ سے چوہدری فتح محمد صاحب سیال بظاہر آزاد، مگر فی الواقعہ متبادل امیدوار کے طور پر کھڑے ہوئے تھے جن کی اپنے حلقہ انتخاب قادیان کی احمدی آبادی کی وجہ سے جیت یقینی تھی چنانچہ عملاً ایسا ہی ہوا۔ ناقل)

کل پنجاب کی ۷۷مسلم سیٹوں میں سے۶۵ مسلم لیگ اور صرف ۷ سیٹیں خضر حیات ٹوانہ اور ان کی یونینیسٹ پارٹی کو ملیں۔وزارت سازی میں چند کانگرس ،سکھ اکالی پارٹی اور کرسچین ایس پی سنگھا پارٹی نے خضر کا ساتھ دیا تھا۔خضر نے کچھ مسلم لیگی توڑے اور خریدے۔جن میں مزنگ کے احراری مولانا بھی ٹوٹے اور شکر گڑھ کے عبدالغفور قمر صاحب بھی ٹوٹے اور پارلیمانی سیکرٹری بنے۔لیکن خضر حیات کی کوئی دولت کوئی لالچ موچی دروازہ کے وزیرعرف جیرا کو نہ توڑ اور خرید سکا۔اور نہ ہی قادیان کے فتح محمد سیال چوہدری کو خرید اور توڑ سکا۔دونوں تا دمِ آخر مسلم لیگ کی اپوزیشن بنچوں پر بیٹھے رہے۔ یہ ہے ایک تاریخی حقیقت ۔ اب فیصلہ آپ کریں کہ کون کیا تھا۔میں کہوں تو **کافر** ٹھہروں !

''پاکستان پائندہ باد ۔ قائدِاعظم زندہ باد''

(منقول از:ہفت روزہ پاکستان اسٹار ٹورنٹو ۲۰نومبر تا ۲۶نومبر ۲۰۰۳ء)

تجزیاتی تعاقب

«مقامی اردو اخبار سنڈے ٹائمز کو بھجوایا جانیوالا مُراسلہ»

جناب ایڈیٹر صاحب ۔سنڈے ٹائمز ٹورنٹو

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ ۔ آپکے اخبار کی اشاعت ۵ فروری ۲۰۰۴ء میں حافظ شفیق الرحمٰن صاحب کی تحریر نظر سے گزری۔ اس تحریر کو پڑھکر جو تاثر میرے ذہن میں اُبھرا اس کے سوا کچھ نہیں کہ حافظ صاحب نے اپنی دنیوی واہ واہ کے لئے اپنی آخرت کو داؤ پر لگا دیا جس طرح ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم اور صدر جنرل ضیاء الحق محض دنیوی شہرت کے حصول کے لئے ایک معصوم اور اسلام کی شیدائی جماعت کے ساتھ سفاکانہ اور ظالمانہ رویہ اختیار کر کے اپنے عبرتناک انجام کو پہنچے گو عقلمندوں نے یقیناً ان نشانات سے فائدہ اٹھایا ہو گا۔ دوسری جانب اس جماعت کی ترقی اس کے غیروں کے لئے عذاب نار بن گئی اور ان کے سینے حسد کی آگ سے مزید بھڑک اُٹھے جو حافظ صاحب کی تحریر میں منصۂ ظہور میں آئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن پیشگوئیوں کی روشنی میں جو حضورؐ نے آخری زمانے کے مسلمانوں کے بارے میں فرمائی تھیں کہ مسلمان کہلانے والے یہودی صفت ہو جائیں گے مجھے حیرت ہے کہ حافظ صاحب کی نظر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث مبارکہ کیوں نہیں گزریں۔ میں حافظ صاحب کے علم میں اضافہ کے لئے صرف چند احادیث تحریر کرونگا۔

۱) ''حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب ایسا زمانہ آئیگا کہ نام کے سوا اسلام کا کچھ باقی نہیں رہیگا الفاظ کے سوا قرآن کا کچھ باقی نہیں رہیگا اس زمانے کے لوگوں کی مسجدیں بظاہر آباد نظر آئیں گی لیکن ہدایت سے خالی ہوں گی ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہونگے۔ ان میں سے ہی فتنے اٹھیں گے اور ان میں ہی لوٹ جائینگے یعنی تمام خرابیوں کا وہی سرچشمہ ہونگے'' (مشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثالث ص ۳۸، کنز العمال ص ۴۳)

۲) ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت پر ایک زمانہ اضطراب اور انتشار کا آئیگا۔ لوگ اپنے علماء کے پاس رہنمائی کی اُمید سے جائیں گے تو وہ انہیں بندروں اور سوروں کیطرح پائیں گے۔ یعنی ان علماء کا اپنا کردار انتہائی خراب اور قابل شرم ہوگا'' (کنز العمال ص ۱۹۰۔۷)

۳) ''حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اُمت پر بھی وہ حالات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے تھے جن میں ایسی مطابقت ہو گی جیسے ایک پاؤں کے جوتے کی دوسرے پاؤں کے جوتے سے ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کا مرتکب ہوا تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا بدبخت نکل آئیگا۔ بنی اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری اُمت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائیگی۔ لیکن ایک فرقہ کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کونسا ہے تو حضورؐ نے فرمایا وہ جو میری اور میرے صحابہؓ کی سُنت پر عمل پیرا ہوگا'' (ترمذی کتاب الایمان کتاب افتراق ھذہ الامۃ ص ۸۹-۲، جامع الصغیر ص ۱۱۰-۲ مصری، ابن ماجہ کتاب الفتن باب افتراق الامم ص ۲۸۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشادات مبارکہ کی روشنی میں آج کے مسلمان کہلانے والوں کی حقیقی اور سچی تصویر سامنے آگئی ہے اور کوئی عقلمند اور صاحب بصیرت انسان ان آفاقی حقائق سے منہ نہیں موڑ سکتا اور نہ کسی میں ہمت ہے کہ وہ انہیں جھٹلا سکے۔ آیئے چلیں حضرت قائداعظمؒ کے زمانے کی طرف جب مسلم لیگ نے پاکستان کی تحریک کا آغاز کیا۔ اس وقت کے علماء ہند نے قائداعظمؒ سے کہا تھا کہ آپ ظفراللہ خان کو اس تحریک سے الگ کر دیں تو ہم سب آپکا ساتھ دیں گے۔ حضرت قائداعظمؒ نے ان علماء کو جو جواب دیا شاید آپ بھی جانتے ہونگے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میں ظفراللہ خان کو چھوڑ نہیں سکتا البتہ اگر آپ لوگ میری مدد نہ کرنا چاہیں تو نہ کریں۔ اس جواب کے بعد علماء کہلانے والوں کا شدید ردعمل قائداعظمؒ کی سنگین مخالفت میں ظاہر ہوا اور یہاں تک کہ انہیں کافر اعظم کے خطاب سے نوازا گیا اور ان میں سے چند نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ آج تک کسی ماں نے وہ بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی ''پ'' بھی بنا سکتا ہو۔ باوجود ان شدید مخالفتوں کے قائداعظمؒ نے پاکستان بنا کر دکھا دیا کیونکہ وہ ایک نہایت باکردار، اعلیٰ اخلاق کے مالک، مدبر اور حقیقی معنوں میں اصول پرست سیاستدان تھے انہوں نے سچ کا دامن ہرگز نہ چھوڑا۔ انگریزوں، ہندوؤں اور ان خود ساختہ علماء سے جنگ جاری رکھی اور خدا نے ان کی نیک نیتی، خلوص اور استقامت کو شرف قبولیت عطا فرما کر انہیں اپنے مقصد میں جو وہ مسلمانوں کے لئے چاہتے تھے کامیاب فرمایا۔ مگر یہ خدا تعالیٰ کی مشیت تھی کہ وہ بہت جلد ہم سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

دوسری طرف اُن علماء کے ذہنوں میں یہ خیال راسخ تھا کہ ان کی مدد کے بغیر پاکستان نہیں بن سکتا لیکن باوجود انکی تمام کوششوں کے پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو انکے سینوں پر سانپ لوٹ گئے اور وہ چونکہ ہندو کانگرس کے پروردہ تھے انہیں پاکستان کا بننا بالکل پسند نہ آیا اور وہ اس پاک قطعہ ارضی کو برباد کرنے کے لئے اس سرزمین پر اتر آئے۔ اس تعلق میں ایک عالم دین، مفتی محمود صاحب مرحوم کا اخباری بیان قابل ذکر ہے مجھے ان کے اصل الفاظ تو یاد نہیں مگر اس کا مفہوم یہ تھا کہ وہ پاکستان بنانے کے گناہ میں شامل نہیں رہے۔

پاکستان کی ۵۶ سالہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ان علماء نے ملک میں امن کو پنپنے نہ دیا اور اپنی محلاتی سازشوں سے اس کو پارہ پارہ کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ ملک جو دولخت ہوا وہ بھی اس زمانے کی حکومت اور ان علماء کرام کے تعاون کی بدولت ہوا۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات جو محض مذہبی منافرت کے نتیجہ میں پاکستان میں پھوٹ پڑے یہ بھی ان علماء کا کارنامہ تھا۔ ۱۹۷۴ء میں حکومت اور ملاؤں کی ملی بھگت سے ایک بار پھر معصوم اور اسلام کی شیدائی جماعت کے خلاف سنگین سازش کر کے دائرہ اسلام سے اپنے خیال میں خارج کر دیا مگر نہ حکومت میں اور نہ ہی ملاؤں میں اتنی اخلاقی جرأت تھی اور

نہ ابتک ہے کہ وہ ۱۹۷۴ء میں ہونے والی اسمبلی کی کاروائی کو عوام کی آگاہی کے لئے الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا میں شائع کر دیتے مگر انکی بدنیتی نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا ایسے لوگ ہی بزدل ہوتے ہیں۔

۱۹۸۴ء میں فرعونِ وقت ضیاء الحق نے اسی معصوم اور دینِ اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی کرنے والی جماعت کو نہ صرف کلمہ پڑھنے یا اسکے بیج لگانے بلکہ آذان دینے تک سے قانوناً منع کیا۔ کیا انکے اسلام نے انہیں یہی تعلیم دی تھی؟ بلکہ اس فرعون نے اس جماعت کے تمام افراد کے شہری حقوق بھی سلب کر لئے۔ حافظ صاحب نے اس جماعت کو قادیانی مافیا کہا ہے شاید حافظ صاحب کو اپنا گریبان نظر نہ آیا جس میں ہزاروں چھید پڑے ہونگے۔

قصہ مختصر یہ کہ حافظ صاحب نے محترم ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو ''پاکستان کے ایٹمی راز جس غدار نے سی آئی اے کو فروخت کئے'' غدار قرار دینے کی ناکام کوشش کی۔ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کا شمار دنیا کے عظیم سائنسدانوں میں ہوتا ہے اور دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک انکی علمیت اور انکی تحقیق کے مداح ہیں اور ہر ملک نے انہیں خوش آمدید کہا شہریت اور انکی تحقیق کیلئے ہر قسم کی سہولت مہیا کرنے کا بھی وعدہ کیا مگر انہوں نے اپنی شہریت پاکستانی ہی رکھی۔ پاکستان کی یونیورسٹیوں کے اکثر طلباء اور طلبات نے آپکی شخصیت پر اخبارات میں بڑے اعلیٰ قسم کے مقالے تحریر کئے اور حکومت پاکستان سے احتجاج بھی کیا کہ ایک پاکستانی نامور محبِّ وطن سائنسدان کی خدمات سے فائدہ نہ اٹھایا گیا یہ پاکستان کی بدنصیبی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ڈاکٹر صاحب محترم کی ذات کے مقابل حضرت حافظ اور جن کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر ان کی کیا حیثیت ہے۔ شاید صفر یا اس سے کم۔ بہر حال حافظ صاحب ایک آزاد ملک کے باشندے ہیں اور انہوں نے اپنے دل کے چھالوں کو خوب پھوڑا ہے جو ان ہی کا حق ہے۔ انسان جب بدعقلی اور بے ہودگی سے چاند پر تھوکتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس کا تھوک خود اسکے منہ پر گرتا ہے۔ حافظ صاحب کو شاباش ملنی چاہیے کہ انہوں نے اپنی حسد کی آگ کو جو انکے سینہ میں کب سے مچل رہی تھی باہر نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اگر حافظ صاحب حقیقت میں مسلمان ہیں تو ان کے علم میں یہ بات ضرور ہونی چاہیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے اور بہتان طرازی کرنے والے کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ ''حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے معراج ہوا تو حالت کشف میں میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ لوگوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھایا کرتے تھے اور ان کی عزت و آبرو سے کھیلتے تھے یعنی انکی غیبت کرتے اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے''

(ابو داؤد کتاب الادب باب فی الغیبة)

مزید براں حافظ صاحب کی معلومات میں اضافہ کے لئے ایک حدیثِ نبویؐ پیش ہے کہ سرکارِ دو جہاں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہتا ہے وہ دراصل خود کافر ہو جاتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کے مسلمان کہلانے والوں کی جو تصویر کھینچی وہ بہت واضح اور صاف ہے۔ کیونکہ وہ اپنی اصلی اور حقیقی تعلیم کو جو قرآن کریم کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے بہت ہی پیارے رسولؐ کے ذریعہ جسے ہماری نجات کا ذریعہ بنا کر بھیجا گیا تھا اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور یہودی اور نصاریٰ کے قدموں پر قدم مار کر اپنی نجات کو اپنے عذاب میں تبدیل کر لیا۔ گو منہ سے تو دعویٰ ہے کہ مسلمان ہیں مگر عمل کے لحاظ سے شیطان کے چیلے ہیں۔

اب پاکستان میں اٹھنے والا مسئلہ جو جوہری توانائی اور ایٹم بم سے تعلق رکھتا ہے اسکی حقیقت نہ صرف پاکستان میں آشکار ہو چکی ہے بلکہ ساری دنیا کی نظروں سے پردہ اٹھ چکا ہے کہ کون پاکستان کا غدار ہے کس کی تفتیش ہو رہی ہے اور کون سزا کا مستحق ہو رہا ہے۔ یہ وہی ڈاکٹر عبدالقدیر خان ہے جس نے کئی سال پہلے پاکستانی اخبارات میں یہ بیان دیا تھا کہ ڈاکٹر عبدالسلام چونکہ یہودی لابی کا بندہ ہے اسلئے اسکو نوبل انعام مل گیا۔ آج شاید خدا نے اپنے ایک معصوم پر عظیم بہتان لگانے کی پاداش میں اسکی ذلت اور سزا کے سامان پیدا فرما دیئے ہیں۔ صرف خدا ہی وہ عالم الغیب ہستی ہے جو ہر سینہ کے راز کو جانتی ہے اور حافظ صاحب اس قانون سے ناواقف ہیں کہ کوئی انکی نیت اور دلی کیفیت کو نہیں جانتا تو یہ انکی بھول ہوگی۔ جس جماعت کو جس حکومت پاکستان نے بے دست و پا بنانے کی ناکام کوشش کی تھی خدا نے خود اسکو اور ان تمام دین کے ٹھیکداروں کو ذلیل و ناکام بنا دیا اور اپنی جماعت کو مافوق العادت ترقی عطا فرمائی اور عطا فرماتا چلا جائیگا۔ اسلام کی قرون اولیٰ میں جو حالات اور پھر اسکی ترقی کے سامان خدا نے پیدا فرمائے تھے، آج بھی وہی خدا اسلام کی نشاۃِ ثانیہ میں بھی وہی حالات پیدا فرما رہا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ اسکی ترقی کی رفتار بھی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسلام کی ترقی میں حارج نہیں ہو سکتی۔ جناب ایڈیٹر صاحب یہ ہیں وہ آفاقی حقائق جن سے مسلمان کہلانے والے اپنے منہ موڑ رہے ہیں۔ آپ میں انصاف کی قوت اور اخلاقی جرأت ہے تو آپ ضرور اس مضمون کو اپنے اخبار میں شائع کریں گے۔ ورنہ تو ہمیں معلوم ہی ہے.........

فقط والسلام

محمد عبدالماجد صدیقی۔ میپل

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

امتحان سہ ماہی دوم

اپریل تا جون ۲۰۰۴ء

آیاتِ قرآنی..........سورہ بقرہ آیت ۵۴ تا ۱۱۰

لیکچر سیالکوٹ..........حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(قائد تعلیم .. مجلس انصاراللہ کینیڈا)

محمد ذکریا ورک

تھرڈ ورلڈ اکیڈیمی آف سائینس

ڈاکٹر عبدالسلام کے زندہ جاوید کارناموں میں سے ایک تو بلاشبہ انٹرنیشنل سینٹر فار تھیوریٹیکل فزکس تھا۔ مگر اسی اہمیت کا ایک اور روشن کارنامہ تھرڈ ورلڈ اکیڈیمی آف سائینس کا قیام بھی تھا۔

یہ اکیڈیمی ایک خود مختار ادارہ ہے جس کی داغ بیل ٹریسٹ میں ۱۹۸۳ء میں رکھی گئی۔ اس کے قیام میں ترقی پذیر ممالک (یعنی کرہ زمین کا جنوبی حصہ، جسے عرف عام میں ساؤتھ بھی کہا جاتا ہے) کے ۴۲ معروف سائینسدانوں نے حصہ لیا تھا۔ اسکے پہلے صدر پروفیسر عبدالسلام تھے۔ اس کا باقاعدہ افتتاح اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے ۱۹۸۵ء میں کیا۔

اکیڈیمی کی ممبر شپ میں دو قسم کے افراد ہوتے ہیں۔

(۱) فیلوز وہ ممتاز سائینسدان ہوتے ہیں جن کا تعلق ترقی پذیر ممالک سے ہے۔

(۲) ایسوسی ایٹ فیلوز وہ معروف سائینسدان ہوتے ہیں جنکا تعلق نارتھ سے ہے۔

.........مگر ساؤتھ کے ممالک میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے ساؤتھ کی سائینس کے فروغ میں قابل قدر کام کیا ہے۔ اکیڈیمی کے اس وقت ۶۳۰ کے قریب ممبرز ہیں جس میں سے ۱۷ نوبل انعام یافتہ ہیں۔ جیسے Mario Malina جن کو ۱۹۹۵ء میں کیمسٹری کا انعام ملا اور احمد ذی ویل جن کا تعلق مصر سے ہے اور جن کو ۱۹۹۹ء میں کیمسٹری کا نوبل انعام ملا وہ فیلو ۱۹۸۹ء میں بنے تھے۔ اسی طرح ھرگوبند کھورانا بھی اکیڈیمی کے ایسوسی ایٹ فیلو ہیں جن کو ۱۹۶۸ء میں فزیالوجی کا نوبل انعام ملا تھا۔

اکیڈیمی کی ایک کونسل ہے جس کے ممبرز ہر تین سال بعد منتخب کئے جاتے ہیں، یہ کونسل اکیڈیمی کے تمام انتظامی امور کو سپروائز کرتی ہے۔ اکیڈیمی کا اپنا سیکرٹریٹ ہے، جس کا چیئرمین ایگزیکٹو ڈائریکٹر ہوتا ہے جو کونسل کے پروگرامز کو ترتیب دینے اور انتظامی امور کو چلانے میں مدد کرتا ہے اس وقت یہ عہدہ محمد ایچ اے حسن کے پاس ہے۔ سیکرٹریٹ اس وقت آئی سی ٹی پی کی ایک بلڈنگ یعنی Enrico Fermi Building میں واقع ہے۔ تمام عہدے دار اور ملازمین یہیں سے جملہ فرائض کو سرانجام دیتے ہیں۔

اکیڈیمی کا مشن

اکیڈیمی کے ویب سائٹ www.ictp.trieste.it/-twas پر اس کا نصب العین یوں درج ہے۔ Promote scientific capacity and excellence for sustainable development in the South. اگرچہ اکیڈیمی جس مقصد سے شروع کی گئی تھی وہ یہ تھا کہ ترقی پذیر ممالک کے مشہور و معروف سائینس دانوں کا انتخاب کر کے ان کو میڈل اور انعامات دئے جائیں یہ انعامات اب بنیادی اور اطلاقی سائینس میں دئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اکیڈیمی کے مدنظر مندرجہ ذیل مقاصد بھی ہیں:

☆ساؤتھ کے ممالک میں سائینٹفک ریسرچ کو سپورٹ اور پروموٹ کرنا

☆ساؤتھ کے ممالک میں رہنے والے سائینسدانوں کیلئے ریسرچ سہولیات مہیا کرنا

☆ساؤتھ میں قیام کرنیوالے انفرادی سائینسدانوں اور انسٹی ٹیوشنز میں باہم تعاون

☆ساؤتھ، نارتھ کے درمیان تعاون اور سینٹرز آف ایکسی لینس کے مابین تعاون

☆تھرڈ ورلڈ پرابلمز پر سائینٹفک ریسرچ کو آسان بنانا

اکیڈیمی کو چلانے کیلئے اخراجات حکومت اٹلی، سویڈش ایجنسی فار ریسرچ، یونیسکو، اور کویت فاؤنڈیشن دیتے ہیں۔ جبکہ چین، برازیل، بھارت، کویت، میکسیکو، اور پاکستان کی حکومتیں بھی خاص مالی امداد مہیا کرتی ہیں۔ ۱۹۹۱ء سے اس کی ایڈمنسٹریشن کی انچارج اب یونیسکو ہے۔ جس کیلئے ایک معاہدہ یونیسکو اور ٹی ڈبلیو اے ایس کے درمیان طے پایا تھا۔ اس کے علاوہ اکیڈیمی کا انٹرنیشنل کونسل فار سائینس، انٹرنیشنل فاؤنڈیشن فار سائینس، اور انٹرنیشنل سائینس پروگرام کے ساتھ تعاون بھی جاری ہے۔ بلکہ ان مذکورہ انسٹی ٹیوشنز اور یونیسکو اور آئی سی ٹی پی کے مابین مشترکہ سرگرمیوں کو تیار کرتی ہے۔ اکیڈمی کا آپریشنل بجٹ دس ملین امریکن ڈالر ہے۔

۱۹۸۶ء سے اکیڈیمی ۱۰۰ ممالک میں مختلف پروگرامز کے ذریعہ سائینٹفک ریسرچ کے کاموں کو سپورٹ کر رہی ہے۔ ریسرچ گرانٹس کیلئے ۲۰۰۰ سائینسدانوں پر مشتمل ایک کمیٹی مختلف ممالک میں پیش ہونیوالی تجاویز پر Peer Review فری آف چارج پیش کرتی ہے۔

اکیڈیمی نے ۱۹۸۸ء میں تھرڈ ورلڈ نیٹ ورک آف سائینٹفک آرگنائزیشنز TWNSO کے قیام میں بھی بھرپور مدد کی جو کہ نان گورمنٹل ۱۵۴ سائینسی آرگنائزیشن کا نیٹ ورک ہے۔ اس کا سیکرٹریٹ اکیڈیمی کے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔

اکیڈیمی نے تھرڈ ورلڈ آرگنائزیشن فار ویمین ان سائینس TWOWS کے قیام میں بھی مدد کی۔ یہ قاہرہ میں ۱۹۹۳ء میں عمل میں آئی تھی۔ اس کے اس وقت ۲۰۰۰ سے زائد ۸۰ ممالک میں ممبرز ہیں۔ اس کے قیام کا مقصد عورتوں کو سائینس میں ریسرچ کے کام کرنے میں تعاون کرنا، اور ان کی ہمت بڑھانا ہے۔ تا کہ وہ بھی سائینس سے بننے والی ٹیکنالوجی اور ڈیویلپمینٹ میں بھرپور حصہ لے سکیں۔ اس کے سیکرٹریٹ کی مدد بھی ٹی ڈبلیو اے ایس کرتی ہے۔

انعامات اور ایوارڈز

ہر سال اکیڈیمی بنیادی سائینس اور اپلائیڈ سائینس میں آٹھ انعامات ان سائینسدانوں کو دیتی ہے جنہوں نے اپنی اپنی فیلڈ میں قابل ذکر حصہ ڈالا ہو۔ ان کی

مالیت US$10,000 ہوتی ہے۔ یہ ریسرچ جن مضامین میں کی گئی ہو وہ یہ ہیں: بیالوجی، کیمسٹری، میتھ، فزکس، ارتھ سائینس، انجنیرنگ، میڈیکل سائینس، اور ایگریکلچر سائینس۔ نامزدگی فارم اکیڈمی سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے ساتھ بیوگرافیکل سکیچ، اور بارہ سائینسی مضامین کی فہرست کا بھیجنا ضروری ہے۔

نوجوان سائینسدانوں کیلئے انعامات بھی بیس ممالک میں دیئے جاتے ہیں۔
یہ پروگرام صرف اکیڈیمیز اور ریسرچ کونسلو کیلئے ہیں، نہ کہ انفرادی سائینسدانوں کیلئے۔

عبدالسلام میڈل فار سائینس اینڈ ٹیکنالوجی

یہ میڈل اکیڈمی کے بانی اور پہلے صدر پروفیسر عبدالسلام کو آنر کرنے کیلئے دیا جاتا ہے۔ یہ ایسے ممتاز سائینسدانوں کو دیا جاتا ہے جنہوں نے تھرڈ ورلڈ میں سائینس کے فروغ میں نمایاں کام کیا ہو۔

ریسرچ گرانٹس

ترقی پذیر ممالک کے اُن سائینسدانوں کو ہر سال دس ہزار امریکن ڈالر کی گرانٹس دی جاتی ہیں جنہوں نے بیالوجی، ریاضی اور فزکس میں ریسرچ پروجیکٹس تیار کر کے اپنی قابلیت کا مظاہرہ کیا ہو۔ اس گرانٹ کا مقصد سائینٹفک لٹریچر، سائینسی سامان اور میٹیریل مہیا کرنا ہے۔ اس کیلئے درخواستیں جولائی سے لیکر دسمبر تک دی جاسکتی ہیں۔

اکیڈمی تھرڈ ورلڈ کے ممالک میں ہونے والی انٹرنیشنل میٹنگز کے انعقاد کیلئے بھی مدد مہیا کرتی ہے۔ یہ مالی امداد صرف آرگنائزرز کو دی جاتی ہے نہ کہ سائینسدانوں کو، اب تک ۴۳ میٹنگز اور لیکچرز کیلئے مالی امداد دی جاچکی ہے۔

سپیئر پارٹس

تھرڈ ورلڈ انسٹی ٹیوشنز میں سپیئر پارٹس مہیا کرنے کیلئے اکیڈمی ایک ہزار ڈالر مہیا کرتی ہے۔

پچھلے پندرہ سال میں اکیڈمی ۴۰۸ سپیئر پارٹس مہیا کر چکی ہے، جس میں ۳۷ سپیئر پارٹس پاکستان پہنچائے گئے۔ اس کے علاوہ آئی سی ٹی پی کے تعاون سے اکیڈمی سائینسی جرنلز، کتابیں اور میگزین بھی پسماندہ ممالک کے کالجوں، سکولوں، یونیورسٹیوں اور لائبریریوں کو مہیا کرتی ہے جو ترقی یافتہ ممالک کے اداروں یا پبلشنگ ہاؤسز سے لئے جاتے ہیں۔ اب تک تین ہزار کتابیں، ۵۹۰۷ جرنلز، ۲۷۸ میٹنگز کی رودادیں، ۸۰۵۶ جرنلز، سی ڈی رام پر مہیا کیئے جاچکے ہیں۔

پوسٹ ڈاکٹریٹ ریسرچ کیلئے فیلوشپ

اکیڈمی ان طلباء کو جو چالیس سال تک کی عمر کے ہوں اور جن کے پاس پی ایچ ڈی ہو۔ ان کو ساؤتھ کے ممالک کے درمیان سفر کرنے اور روزانہ خرچ کیلئے دوسو ڈالر ہر ماہ مہیا کرتی ہے۔ اس کیلئے درخواست ہر سال اکتوبر میں دی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بھارت کی کونسل آف سائینٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ، سائینسدانوں کیلئے دو فیلوشپ دیتی ہے تا کہ وہ CSIR کی لیبارٹریز میں آ کر کام کر سکیں۔ TWAS اس ضمن میں سفر کے اخراجات مہیا کرتی ہے اس کیلئے درخواست ہر سال جون میں دی جاسکتی ہے۔

اکیڈمی نے یونیسکو کے ساتھ مل کر ایسوسی ایٹ ممبر شپ سکیم شروع کی ہے جس کا مقصد ساؤتھ میں موجود سینٹرز آف ایکسی لینس کے درمیان سائینسدانوں کو وزٹ کرنے کیلئے سفر کے اخراجات مہیا کرنا ہے۔ یہ سکیم ۸۰ ممالک میں جاری ہے۔ روزانہ اخراجات کیلئے دوصد ڈالر ماہانہ بھی دئے جاتے ہیں۔

جنرل کانفرنسیں

ہر دو یا تین سال بعد کسی ترقی پذیر ملک میں جنرل کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ جس کا مقصد ساؤتھ کے ممالک میں سائینس اور ٹیکنالوجی کے مستقبل پر غور کرنا ہوتا ہے۔ ایسی کانفرنسیں چین میں ۱۹۸۷ء۔ وینزویلا ۱۹۹۰ء۔ کویت ۱۹۹۲ء۔ نائیجیریا ۱۹۹۵ء۔ برازیل ۱۹۹۷ء۔ سینی گال ۱۹۹۹ء میں منعقد ہو چکی ہیں۔ اکتوبر ۲۰۰۲ میں بھارت میں ہوئی، اس میں شرکت کیلئے منسٹرز آف سائینس، سائینس اکیڈمیز کے صدران، انٹرنیشنل آرگنائزیشنز کے نمائندگان نارتھ اینڈ ساؤتھ بلائے جاتے ہیں۔

انٹرنیشنل سینٹر فار تھیورٹیکل فزکس کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت ٹریسٹ میں اسی قسم کا ایک اور ادارہ کام کر رہا ہے جس کا نام International Centre for Genetic Engineering and Biotechnology ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کے اس تخلیق کردہ مرکز کے ماڈل پر ایک اور سینٹر سیول، کوریا میں ۱۹۹۸ء میں معرضِ وجود میں آیا اس کا نام ایشیاپیسیفک سینٹر فار تھیورٹیکل فزکس (APCTP) ہے۔ اس کی پلاننگ کمیٹی کے ممبران کا تعلق آسٹریلیا، چائنا، جاپان، کوریا، ملائیشیا، فلپائن، سنگاپور، تائیوان، تھائی لینڈ اور ویت نام سے تھا۔ سینٹر کا مقصد ماہرین فزکس کی ٹریننگ، ڈاکٹریٹ، پوسٹ ڈاکٹریٹ لیول پر ہے۔

اس سینٹر کے افتتاح کی تقریب میں آئی سی ٹی پی کے ڈائریکٹر Miguel Virasoro نے بھی حصہ لیا تھا۔ انہوں نے اس بات پر مسرت کا اظہار کیا کہ آئی سی ٹی پی کا کنسپٹ (concept) دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ APCTP نے اس ضمن میں جس پہلی کانفرنس کا اہتمام کیا اس کا عنوان پارٹیکلز اینڈ کاسالوجی تھا۔ ۱۹۹۹ء میں اس کی سائینس کونسل نے سٹرنگ تھیوری اور کن ڈینسڈ میٹر پر سکول اور ورک شاپ کا اہتمام کیا۔ یاد رہے کہ اس سینٹر کے قیام میں نوبل لاریٹ C.N.Yang، پروفیسر آف فزکس، سٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک، سٹونی بروک نے

(بقیہ: صفحہ نمبر ۳۸ پر)

مطالعاتی تأثرات

ناصر وینس

یہ ''تاریخی حوالہ'' ہے یا فنِ افتراء سازی۔۔۔؟!

(ایک جوابی مراسلہ، جس کی اشاعت ''گول'' کر کے صحافتی بددیانتی کا ثبوت دیا گیا)

ہفت روزہ عوامؔ ٹورنٹو کے پانچ مارچ ۲۰۰۴ء کے ادارتی صفحہ پر اخبار کے کالم نگار حمید اختر کا کالم پڑھنے کا اتفاق ہوا جو کالم نگار نے ''پاکستان امریکہ تعلقات میں ہماری تابعداری کے تاریخی حوالے'' کے عنوان سے سپردِ قلم کیا ہے۔ کالم نگار نے پاکستان میں ایک سابقہ امریکی سفارت کار ڈینس کک کی ایک کتاب کے بعض تاریخی حوالہ جات یا ''انکشافات'' درج کرتے ہوئے سیٹو کے فوجی معاہدے میں پاکستان کی شمولیت پر بھی تبصرہ آرائی کی ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں پاکستان کے پہلے وزیرِ خارجہ چوہدری سر محمد ظفراللہ خان پر ''تاریخی حوالہ'' کا نزلہ گراتے ہوئے فاضل کالم نگار نے ''انکشاف'' کے رنگ میں لکھا کہ: '' مذکورہ کتاب (ڈینس کک کی کتاب) میں ایک اور حیرت انگیز انکشاف '' سیٹو'' میں پاکستان کی شمولیت کے متعلق ہے۔ بتایا گیا ہے کہ سیٹو کے فوجی معاہدے کے ڈرافٹ پر ۱۹۵۴ء میں منیلا کے مقام پر پاکستان کے اس وقت کے وزیرِ خارجہ چوہدری ظفراللہ نے اپنی حکومت سے پوچھے بغیر دستخط کیے تھے۔ یہ دستخط ایسے وقت میں کیے گئے جب پاکستان کی طرف سے معاہدے کے ڈرافٹ میں یہ ترمیم شامل کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس میں متعلقہ ریاستوں کو کمیونزم کے حملے کے خلاف تحفّظ فراہم کرنے کا جو وعدہ کیا گیا ہے اس کا دائرہ وسیع کر دیا جائے اور ایسا تحفظ ہر قسم کی جارحیت کے خلاف فراہم ہونا چاہیے۔ یہ بات چیت ابھی جاری تھی کہ ہمارے وزیرِ خارجہ نے حکومت سے پوچھے بغیر معاہدے پر اپنے دستخط ثبت کردیے۔ یہ امریکی وزیرِ خارجہ ڈلسؔ کا زمانہ تھا۔ اس نے مجوزہ ترمیم کی شرط ماننے سے صاف انکار کیا تو ہمارے وزیرِ خارجہ نے معاہدے پر دستخط کر کے اس کا کام آسان کردیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ حکومتِ پاکستان نے جو سیٹو کے معاہدے میں ترمیم کا مطالبہ کر چکی تھی اس بارے میں اپنے وزیرِ خارجہ سے باز پرس کرنے کی بجائے خود ہی اسکی توثیق کر دی'' (ہفت روزہ عوامؔ۔ ٹورنٹو ۵۔ مارچ ۲۰۰۴ء صفحہ: ۴)

تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں نیز تاریخ کا ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر راقم الحروف، کالم نگار مسٹر حمید اختر اور ڈینس کک کے مندرجہ بالا ''انکشاف'' کے متعلق ہفت روزہ عوامؔ کے قارئین تک چند تاریخی شواہد و حقائق پہنچانا چاہتا ہے۔ تا کہ قارئین خود فیصلہ کرسکیں کہ مذکورہ بالا انکشاف میں صداقت یا کذّب و افتراء کی حقیقی شرح کتنی ہے۔ تاہم اس انکشاف کا تجزیہ کرنے سے قبل یہ بھی مناسب ہوگا کہ پاکستان کے پہلے وزیرِ خارجہ چوہدری محمد ظفراللہ خان کے متعلق بھی کچھ بتا دیا جائے کہ سر ظفراللہ خان وہ شخصیت تھے جن کی ذاتی قابلیت سے قائدِ اعظم اور پنڈت جواہر لال نہرو بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ تقسیمِ برصغیر کے وقت پنڈت نہرو نے سر ظفراللہ خان کو پیشکش کی کہ اگر وہ بھارت ہی میں ٹھہر جائیں تو انھیں ہندوستان کی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنا دیا جائے گا۔ ادھر قائدِ اعظم نے بھی انہیں کہلوا بھیجا کہ پاکستان کو آپ کی خدمات کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سر ظفراللہ خان نے پنڈت نہرو کی پیشکش کو رد کرتے ہوئے فوراً بانیٔ پاکستان کو اپنی خدمات پیش کردیں۔ چوہدری سر ظفراللہ خان کی قابلیت اور وزارت خارجہ کیلئے قائدِ اعظم کے انتخاب پر تو کسی کو کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی، البتہ چوہدری سر ظفراللہ خان کے ذاتی (احمدی) عقیدے سے محض اختلاف اور تعصّب کی بنا پر بعض لوگ چوہدری صاحب کی بابت من گھڑت باتیں منسوب کرتے اور فنِ افتراء سازی کے نت نئے ریکارڈ توڑتے رہتے ہیں۔ جن میں وہ لوگ اور ان کی معنوی اولادیں پیش پیش ہیں جنھوں نے تحریکِ قیامِ پاکستان کو ''پلیدستان'' اور ''ناپاکستان'' جبکہ قائدِ اعظم کو ''کافرِ اعظم'' تک کہا تھا۔ قیامِ پاکستان کے وقت وزارتِ خارجہ کیلئے چوہدری ظفراللہ خان جیسی نابغۂ روزگار شخصیت کے انتخاب اور اس عہدے پر آپ کی کارکردگی کے حوالے سے قائدِ اعظم کے نوجوان ساتھی، برِصغیر کے ممتاز صحافی جناب میاں محمد شفیع المعروف م۔شؔ، نوائے وقت اخبار میں لکھتے ہیں: **"چوھدری ظفراللّٰہ خان آخر کار اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کا چیئرمین اور انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس کا چیف جسٹس بن کر زندگی سے اپنی قابلیت کا سکہ منواتا ھے۔ لیکن پاکستانی اخبار نویس ایسے شخص کے رول کو اس لئے گول کر جاتا ھے کیونکہ اس کردار کا مالک عقیدہ کے لحاظ سے احمدی تھا........آج ھم کشمیر کے متعلق سیکیورٹی کونسل کی جس قرارداد کو اساس بنا کر آزادی کی جنگ لڑ رھے ھیں اسے متفقہ طور پر پاس کروانے میں ظفراللّٰہ خان کا ھاتھ تھا۔ یھی نھیں آپ نے عرب ممالک کی جنگِ آزادی میں اقوامِ متحدہ میں ان کی نمائندگی کا بھرپور کردار ادا کیا۔ ظفراللّٰہ خان نے پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت میں تاریخی کارنامے سرانجام دیئے "** (نوائے وقت میگزین۔ ۶ مارچ ۱۹۹۲ء صفحہ: ۵)

جہاں تک ذکر ''گول'' کر جانے کا ہے م۔شؔ کی بات سو فیصد درست ہے (جیسا کہ زیرِ نظر مراسلہ کیساتھ روا رکھا جانیوالا صحافتی نمونۂ دیانت......!!!) اب ذرا چوہدری ظفراللہ خان کی بحیثیت وزیرِ خارجہ خدمات کو گہنائے جانے کی خاطر سیٹو نامی معاہدے کے حوالے سے چوہدری صاحب پر لگائے جانے والے الزام کی حقیقت ملاحظہ ہو۔ چوہدری صاحب اپنی خودنوشت سوانح حیات ''تحدیثِ نعمت'' میں معاہدہ سیٹو کے متعلق لکھتے ہیں:

''میں نے مسٹر جان فوسٹر ڈلس، امریکی وزیرِ خارجہ کے ساتھ اس بارہ (ممبر ملک پر اشتراکی یا غیر اشتراکی ملک کی جارحیت والی شق۔ ناقل) میں تفصیلی گفتگو کی۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے آئین کے مطابق صدرِ مملکت کوئی ایسا معاہدہ سینیٹ (senate) کی رضامندی کے بغیر نہیں کر سکتے۔ اشتراکی جارحانہ اقدام کے مقابلے کیلئے تو سینٹ نے صدرِ مملکت کو پہلے ہی اختیار دیا ہوا ہے۔ اس لیے ہم معاہدے میں یہ ذمہ داری صراحتۃً لے سکتے ہیں لیکن کسی غیر اشتراکی ملک کے جارحانہ اقدام کے مقابلے کیلئے صدرِ مملکت کو سینیٹ کی رضامندی حاصل کرنی آئینی طور پر ضروری ہے۔ اسلئے ہم معاہدے کی رو سے یہ ذمہ داری نہیں لے سکتے۔ صرف اتنی ذمہ داری لے سکتے ہیں کہ فوری طور پر باہمی مشورہ ہو کہ صورت پیش آمدہ کے مقابلے کیلئے کیا تدابیر عمل میں لائی

جائیں۔ادھر جو عمل ضروری سمجھا جائے اس کیلئے سینیٹ کی رضامندی حاصل کی جائے۔میں نے کہا پاکستان کی حکومت کی رائے میں یہ صورت تسلی بخش نہیں اس لئے میں معاھدے پر دستخط نہیں کرسکتا. اس صورت کے پیش نظر حکومتِ پاکستان فیصلہ کرے گی کہ پاکستان اس معاہدے میں شامل ہوسکتا ہے یا نہیں! چونکہ پاکستان کانفرنس میں با قاعدہ شریک رہا تھا اور باقی سب امور کے متعلق ہمارا نقطۂ نگاہ تسلیم کرلیا گیا تھا لیکن اس اہم ترین مسئلہ کے متعلق جو صورت تھی وہ ہمارے لئے تسلی بخش نہ تھی اور آخری اجلاس جس میں معاہدے پر دستخط کئے جانے والے تھے،شروع ہونے والا تھا اور حکومت کی ہدایت حاصل کرنے کیلئے وقت نہیں تھا۔ میں نے صرف یہ ذمہ داری لی کہ معاہدے کا مسودہ حکومتِ پاکستان کو بھیج دیا جائیگا جو اپنے آئینی ضابطے کے مطابق معاہدہ میں شمولیت یا عدم شمولیت کا فیصلہ کرے گی۔چنانچہ مسودہ پر اس بات کو واضح کرنے کیلئے میں نے حسب ذیل عبارت لکھدی: "Sign for the purpose of transmission to the Government of Pakistan for it to take its decision in accordance with its constitutional procedure"

وزیراعظم کی خدمت میں تفصیلی رپورٹ بھی ارسال کردی۔کانفرنس کے ختم ہوتے ہی ہانگ کانگ ،ٹوکیو اور سان فرانسسکو کے راستے نیویارک چلا گیا۔جہاں اقوام متحدہ کی اسمبلی کا سالانہ اجلاس شروع ہونے والا تھا۔میری اطلاع کے مطابق جب سیٹو میں شمولیت کا سوال کابینہ میں پیش آیا تو آراء میں بہت اختلاف تھا لیکن بہت ردّوکد کے بعد شمولیت کے حق میں فیصلہ ہوا " (تحدیثِ نعمت صفحہ:۶۲۰ تا ۶۲۲)

چوہدری ظفراللہ خان کی جانب سے سیٹو میں شمولیت کے اس تحریری بیان شدہ پس منظر کے بعد چوہدری صاحب پر لگائے جانے والے مندرجہ بالا الزام کی قلعی پورے طور پر کھل جاتی ہے لہذا اس پر مزید کچھ لکھنے کہنے کی گنجائش تو نہیں۔تاہم چوہدری صاحب پر مذکورہ الزام لگا کر انکی کردار کشی کرنے والوں کی کذب بیانی کو مزید طشت از بام کرنے کیلئے اس دور کے ایک اخبار پاکستان ٹائمز کے 22 ستمبر 1954ء کے ایڈیٹوریل کا ایک اقتباس پیش ہے۔جس سے چوہدری صاحب کے تحریرِ بالا اس بیان کی بھی پوری طرح تصدیق ہو جاتی ہے کہ انھوں نے مسودہ خصوصی نوٹ کے ساتھ حکومتِ پاکستان کو بھجوا دیا تھا۔جہاں چوہدری صاحب کی عدم موجودگی میں یہ مسئلہ کابینہ کے سامنے پیش ہوا اور فیصلہ ہوا کہ پاکستان کو سیٹو میں شمولیت اختیار کرلینی چاہیے۔انگریزی اخبار پاکستان ٹائمز لاہور کے ایڈیٹوریل کے اقتباس کا فوٹو سٹیٹ عکس ملاحظہ ہو:

> Editorial "The Pakistan Times" - LHR. Dated. Sep: 22 1954
> " The Prime Minister of Pakistan has said that the Foriegn Minister (Ch. Zafrulla Khan) had merely signed the Manila Treaty" For submission to the Government" and that the question of accepting it was still under consideration.

{Editorial: "The Pakistan Times" LHR. Dated Sep: 22nd 1954 The Prime Minster of Pakistan has said that the Foreign Minister (Ch. Zafrullah Khan) had merely signed the Manila Trety "For submission to the Government" and that the question of accepting it was still under consideration.}

پاکستان ٹائمز کے اداریہ کے اقتباسِ بالا کے علاوہ اس ضمن میں ایک اور مستند حوالہ، پاکستان کی اہم سرکاری دستاویزات کو کتابی شکل میں محفوظ کئے گئے اُن سرکاری پیپرز سے بھی پیش ہے جو طبع ہو چکے ہیں اور "جنرل، آف ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان نمبر ۲. ۱۹۹۱ء" کے نام سے موسوم ہیں۔ اِس 'جنرل' میں لکھا ہے:-

In an impassioned plea at the Manila conference, the Pakistan delegate. Froeign Minister Zafrullah Khan,insisted that"aggression is evil and there are no varieties of aggression and it is necessary to resist it wherever it comes from. "

(J.R.S.P., Vol.XXVIII. No.2.1991)

مندرجہ بالا ٹھوس تاریخی شواہد کی روشنی میں محض ذاتی عقیدے سے اختلافِ نظر رکھنے کی بنا پر کسی انسان کی کردار کشی کرنے والے قلمکاروں ،دانشوروں اور جرائد کے مدیران و پبلشروں کے گوش گزار کرنے کیلئے معروف قطعہ نگار خالد عرفان کا یہ قطعہ پیش ہے ۔

قلم کی حرمت کے پاسبانو قلم کی حرمت سنبھال رکھنا
وہ دوستی ہو کہ دشمنی ہو متاعِ فن کا خیال رکھنا

قصہ جوتے کی خرید کا

حضرت چوہدری سر محمد ظفراللہ خان صاحبؓ کی زندگی کا ایک یادگار واقعہ

ایک بار آپ نے ایک جوتا خریدنا تھا۔آپ کسی کو ساتھ لے کر جوتا خریدنے نکلے۔آپ کے ساتھی نے آپ کو اعلیٰ اور قیمتی جوتے دکھائے مگر آپ رد کرتے رہے۔آپ کو اپنی مرضی کا سستا جوتا نہ مل سکا۔آخر واپس آ گئے۔اس شخص نے تنگ آ کر کہا چوہدری صاحب! آپ اپنی پوزیشن کو بھی دیکھا کریں، جتنا سستا جوتا آپ چاہتے ہیں اس کو دیکھ کر لوگ آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے؟ آپ نے فرمایا:

"جو شخص مجھے جانتا ہے کہ میرا نام ظفراللہ ہے اس کی نظر کبھی میرے جوتے پر نہیں جائے گی اور جو شخص نہیں جانتا کہ میں کون ہوں اس کو میں قیمتی جوتا پہن کر یہ نہیں بتانا چاہتا کہ میرا نام ظفراللہ ہے"۔اس شخص نے ہار کر کہا چوہدری صاحب آپ اپنی عمر کو بھی تو دیکھیں اس عمر میں آپ کو نرم اور آرام دہ جوتا چاہیے۔فرمانے لگے مجھے تو کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ میرے پیر کو بے آرامی محسوس ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ کہ میں نے اپنے پاؤں کو نرم جوتے کا عادی ہی نہیں بنایا اور آپ جتنا مہنگا جوتا میرے لئے تجویز کر رہے ہیں اس رقم کو بچا کر تو پاکستان میں کئی طالب علموں کی پڑھائی کا خرچہ پورا ہو سکتا ھے.

میں کبھی سوچتا ہوں تو بے اختیار میری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں کہ کسی اَن دیکھے طالب علم، کسی نا واقف اور انجان بیوہ یا مستحق کے لئے آپ کے دل میں کس قدر درد تھا اور آپ اپنے آرام کا ایک ایک لمحہ ان کے لئے کس کس طرح مسلسل قربان کرتے رہتے تھے۔دنیا کی تاریخ میں ایسی کتنی ہستیاں پیدا ہوئی ہوں گی؟ ایسی ہستی بھلا ایسی ہستی بھلا اب کب پیدا ہو گی؟ ('چند یادیں محمد ظفراللہ خان' صفحہ ۴۳ مصنف: بشیر احمد رفیق)

طب وصحت:

شراب . . . آتشِ سیال کی شیطانی تباہ کاریاں

ماخوذ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی کی عظیم نعمت دینے کے بعد جو ایک اور احسان کیا وہ خیر اور شر میں کھلی تفریق تھی۔ جس کے بغیر پوری زندگی تو کیا، ایک لمحہ گزارنے کا تصور ہی ادھورا ہے۔ کسی بھی شے کے استعمال میں نفع ونقصان کے پہلو کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ایک جانب فائدے و خسارے میں تمیز کیلئے ذہن عطا کیا تو دوسری طرف صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ کس نعمت کا استعمال کہاں اور کیا ہے۔

شراب انسان کے ان دشمنوں میں سے ہے جو اس کے ذہن سے اچھائی اور برائی کی تفریق چھین کر اسے کسی بھی عمل کیلئے آمادہ کردیتی ہے اور اسی لئے یہ ام الخبائث قرار پائی ہے یعنی کہ برائیوں کی ماں۔ قرآنِ پاک میں شراب کی ممانعت تین سورتوں، بقرہ، نساء اور مائدہ میں آئی ہے۔ ان میں سے پہلی سورۃ تین ھجری میں نازل ہوئی۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضورﷺ نے فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نہ شراب پئے اور نہ اس مجلس میں بیٹھے جہاں یہ پی جائے۔ شراب پینے والے، کشید کرنے والے، نچوڑنے والے، اٹھانے والے اور جس کیلئے لائی جائے اور اسکی قیمت کھانے والے سب کے سب برابر اس گناہ میں شریک ہیں۔ ہر شراب حرام ہے خواہ وہ کسی قسم کی ہو۔ سائنس کی اصطلاح میں شراب الکحل ہے، جس سے مراد ایسے مرکبات ہوتے ہیں جن میں لازی طور پر ہائیڈرو اکسل (OH) گروپ موجود ہو۔ مثلاً ایتھانول اور میتھانول وغیرہ۔

میتھانول ایک زہریلا مرکب ہے۔ وہ الکحل جو پینے کیلئے استعمال ہوتی ہے ایتھانول (CHOH) ہے، جسے خمیر اس وقت خارج کرتا ہے جب شکر کو جوش دیا جائے۔ اس عمل سے جو محلول حاصل ہوتا ہے اسمیں ۱۲ فیصد ایتھانول ہوتی ہے جس کو کسری کشید کے عمل سے ۹۵ فیصد تک تبدیل کیا جاتا ہے۔

الکحل انگور، آلو، گندم، چاول، چقندر، شہد اور سیب کے علاوہ ایسے دیگر پھلوں سے بھی تیار کی جاتی ہے جن میں کھانڈ موجود ہو۔ دنیا میں اس وقت جتنی بھی نشہ آور اشیاء موجود ہیں ان میں الکحل کے نقصانات سب سے زیادہ ہیں۔ ایتھانول ایک نامیاتی مرکب ہے اور اپنے اندر نامیاتی اشیاء کو حل کرنے کی خاطر خواہ صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے اسے پرفیوم، مشروبات اور رنگ وروغن وغیرہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔

انسانی جسم نامیاتی مرکبات کا مجموعہ ہے مثلاً کاربوہائیڈریٹس، روغنیات اور پروٹین وغیرہ۔ اس وجہ سے الکحل ان سب کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ چنانچہ منہ سے لیکر انسانی جسم کے آخری حصے تک یعنی حلق، سینہ، جگر، دل، معدہ، دماغ اور اعصاب وغیرہ سب پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ شراب کا پہلا حملہ لعابِ دہن پر ہوتا ہے، جہاں یہ تعمیری خلیوں کو ختم کرتی ہے جس سے مسوڑھوں کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس کے بعد خوراک کی نالی (ایسوفیگس) پر موجود جھلی میوکس ممبرین کو متاثر کرتی ہے جس سے اس میں کمزوری پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ سرطان بھی ہوسکتا ہے۔

پانی میں حل پذیر ہونے کی بناء پر یہ وہاں تک جاسکتی ہے جہاں تک پانی کی رسائی ہو۔ خون میں وافر پانی ہونے کیوجہ سے الکحل خون کے ذریعے جسم کے مختلف حصوں تک جاسکتی ہے۔ خون میں موجود خاص قسم کی چربی اس کی وجہ سے تحلیل ہوجاتی ہے اور تزابیت کے خلاف معدے کی مزاحمت بھی کم ہو جاتی ہے۔ خون میں الکحل کی مقدار کو بلڈ الکحل کنسنٹریشن (بی اے سی) سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ تحقیق کے مطابق اگر بی اے سی کی مقدار (0.4 to 0.6) ہو تو پینے والے کی سانس کی نالی بند بھی ہوسکتی ہے جس کا نتیجہ سوائے موت کے کچھ اور نہیں ہوتا۔

مردوں کے مقابلے میں عورتوں میں چربی کی مقدار کم ہوتی ہے اس لئے اس کے اثرات عورتوں میں زیادہ تیزی سے ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ چربی کی کمی کی وجہ سے الکحل کے خون میں رہنے کی بجائے جذب ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ خواتین جو ماں بننے والی ہوں، ان کے خون سے الکحل فوراً جنین کے جسم میں چلی جاتی ہے اور وہ دل ودماغ جو ابھی بننے کے عمل سے گزر رہا ہو تخریب کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے پیدا ہونے والے بچوں کی فکری اور تعمیری صلاحیتیں کم ہوتی ہیں۔ ان کیلئے ایف اے سی اور ایف اے ای کی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ عمل صرف عورتوں تک ہی نہیں بلکہ شرابی باپ کیوجہ سے بھی بچے، دماغ اور دل کے جھٹکوں کی بیماری میں مبتلاء ہوتے ہیں۔ ایسے بچے نہ صرف عام بچوں سے صلاحیتوں میں پیچھے ہوتے ہیں بلکہ اخلاق وکردار کے حوالے سے بھی کجی رکھتے ہیں۔

کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے ایک عادی شرابی کا دل ایتھانول کی زیادتی کے باعث زیادہ دباؤ کا شکار ہوتا ہے جو عام آدمی کے مقابلے میں دگنا ہوتا ہے۔ شراب کا سب سے اہم اثر جگر اور دماغ پر ہوتا ہے، جگر کے خلیے اس کیوجہ سے کمزور ہوکر ختم ہونے لگتے ہیں اور اپنے افعال کی ادائیگی میں نا اہل ہونے لگتے ہیں۔ مثلاً امیونوگلوبین کے بننے کی مقدار کم ہوجاتی ہے جس سے بیماریوں کے خلاف مزاحمت کم ہو جاتی ہے۔ کثرتِ شراب نوشی کیوجہ سے ذہن کے خلیے بھی ختم ہونے لگتے ہیں اور ذہن سکڑنے لگتا ہے۔ اعصابی خلیے ناکارہ ہونے لگتے ہیں جس کی وجہ سے دماغ اور اعصاب کے درمیان پیغام رسانی متاثر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرابی اکثر اپنی باتوں سے انحراف کرتے ہیں کیونکہ ہوش میں آنے پر وہ خود یقین نہیں کرتے کہ فلاں قول یا فعل ان کا ہے۔ اسی کے باعث طلاقیں، معاہدہ توڑنا اور وعدہ خلافیاں شرابیوں میں بہت ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ کیے جانے والے زندگی کے مختلف شعبوں کے معاملات اکثر بے یقینی کی کیفیت کا شکار رہتے ہیں۔ چنانچہ یورپ کے اکثر ادارے اپنے ارکان پر مختلف اوقاتِ کار میں شراب نہ پینے کیلئے پابندی لگانے کی خاطر قاعدے بناتے ہیں۔ جبکہ اسلام نے واضح ممانعت کرکے چودہ سو سال پہلے مومنوں کو اس سے تحفظ عطا کردیا۔ آج سعودی عرب دنیا

کا وہ واحد ملک ہے جہاں شراب کے استعمال پر تمام لوگوں کیلئے مکمل پابندی ہے جبکہ پاکستان میں ۱۹۷۷ء سے مسلمانوں کیلئے اس پر پابندی لگائی گئی۔[البتہ یہ الگ بات کہ پابندی لگانے والے خودکو ان پابندیوں سے بالا سمجھتے ہوئے اس کی زلفِ گرہ گیر کے اکثر اسیر دکھائی دیتے ہیں۔چنانچہ جہاں ان شیخانِ حرم کی بادہ کشی وعیش کوشی کے قصے زبانِ زدعام ہیں، وہیں اس مشہور سیاستدان (جس نے شراب پر پابندی اور دیگر آئینی ترامیم کاآغاز کیا تھا) کا جلسۂ عام میں کہے ہوئے اس مشہور چٹکلے کا مدتوں چرچا رہا کہ:

''شراب پیتا ہوں غریبوں کا خون نہیں پیتا.....!!'']

یورپ اور امریکہ کے اکثر ممالک میں نہ صرف کثیر سرمایہ اس پر ضائع ہو رہا ہے بلکہ ظاہری شان وشوکت کے ان دیوتاؤں کی نئی نسل جس بری طرح بداخلاقی اور کج روی کا شکار ہورہی ہیں اس کا اندازہ اس رپورٹ سے لگایا جاسکتا ہے جو فرانس کی قومی کمیٹی برائے دفاعِ شراب، نے کچھ عرصہ قبل شائع کی۔رپورٹ کے مطابق شراب نوشوں پر الکحل کا جو منفی اثر پڑتا ہے وہ اس کا عشرِعشیر بھی نہیں جو ان کی اولاد پر ہوتا ہے۔فرانس کے ناکارہ لوگوں میں پچاس سے نوے فیصد اور نوعمر مجرموں کا پچاس فیصد شرابی والدین کی اولاد پر مشتمل ہے۔یہ ناکارہ لوگ بے راہ روی، عصمت فروشی، غداری اور بدمعاشی کی راہوں پر محوِسفر ہوتے ہیں۔

روس میں جب گورباچوف نے الکحل سے مرنے والوں کی تعداد ختم کرنے کیلئے اس پر پابندی لگائی تو یہ تعداد گھٹ تو ضرور گئی، لیکن اس کے بعد جو لوگ مر رہے تھے ان کے پیٹ سے جوتے کی پالش، رنگ وروغن اور جراثیم کش ادویات کے ساتھ ہر ایسی چیز ملی جس میں الکحل موجود ہوسکتی تھی۔یوں پابندیاں نرم کرنی پڑیں۔گویا دنیاوی قوانین اس برائی کا سدِّباب کرنے میں ناکافی ہیں۔اس سے بچنے کا بنیادی راستہ خشیت الٰہی ہے جو لا الٰہ الا اللہ کے قلبی اعتراف سے ملتا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ ایک کثیر رقم اس عادتِ بد کی نظر ہو رہی ہے۔امریکہ میں ۱۹۹۰ء میں الکحل کی وجہ سے ایک کھرب اور ۳۶ ارب ڈالر کا نقصان ہوا اور تقریباً ۶۵ ہزار جانوں کا خاتمہ ہوا۔دنیا میں اس وقت جاپان میں شراب نوشی سب سے مہنگی اور تجارتی حیثیت کی حامل ہے۔شراب اپنے ہمراہ تباہ کن اثرات اور برائیاں لیکر آتی ہے مثلاً شرابی افراد ہذیان، کپکپی اور کمزور اعصابی نظام کیوجہ سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں ناکام رہتے ہیں۔شرابی مزدور اور ہنر مند زیادہ تھکن اور کاہلی محسوس کرتے ہیں۔شرابی افراد خصوصاً ان کی اولاد ذہنی اعتبار سے بہت پیچھے ہوتے ہیں۔مجرمانہ اور بے وفا ذہنیت کے یہ لوگ غیروں کو کیا اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی فریب اور دھوکے دیتے ہیں۔ نشہ کی خاطر چوری کرنا عام مشاہدہ کی بات ہے۔

عدمِ اعتماد اور اختلافات جو جدید یورپ میں طلاقوں کا باعث ہیں، کمزور ذہنی و اعصابی نظام ہی کا حصہ ہیں۔مختصر مدت کے غیر شادی شدہ جوڑوں کی بڑھتی تعداد ہوئی کی ایک بڑی وجہ بھی یہی ہے۔

اوھائیو سٹیٹ یونیورسٹی کے بحالیاتی یونٹ میں حادثات کے شکار اٹھاسی مریضوں کو زیرِ مشاہدہ رکھنے سے ظاہر ہوا ہے کہ ہسپتال میں ابتدائی علاج معالجے میں حادثات کے وقت شراب پیئے ہوئے مریضوں کو حادثات کے وقت شراب سے پاک مریضوں کی نسبت چھ دن زیادہ لگے۔اور اسی طرح قانونی لحاظ سے مدہوش (DRUNK) افراد کو (AMNESIA) سے بحال ہونے میں بیاسی دن زیادہ لگے۔فزیکل میڈیسن کے ایسوسی ایٹ پروفیسر جان کوریگن کا کہنا ہے کہ خواہ جس پیمانے سے ناپا جائے زخم لگتے وقت جسم میں الکحل کی موجودگی کا نتیجہ ہرصورت میں زیادہ نقصان دہ ہے۔(بشکریہ جنگ لاہور)

بقیہ: تھرڈ ورلڈ اکیڈمی آف سائنس

ذاتی دلچسپی لی بلکہ وہ اس کے روح رواں تھے۔پروفیسر یانگ کو ۱۹۵۶ء میں اس موضوع پر نوبل انعام ملا تھا، جس پر ڈاکٹر سلام نے بھی ریسرچ کا کام کیا تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ICTP کی مدد کے طفیل سے نائیجیریا کی پانچ یونیورسٹیاں انٹرنیٹ کے ذریعہ ورلڈ وائیڈ ویب کے ذریعہ ایک دوسرے سے منسلک ہوگئی ہیں۔اس پر کام ۱۹۹۵ء میں شروع ہوا تھا۔ورلڈ بینک نے US$ 130,000 دیئے اور آئی سی ٹی پی نے پچاس ہزار۔اسی طرح مرکز نے کچھ سال قبل ارجنٹینا میں ایک کورس کا انتظام کیا جس کا عنوان Latin American course on Data Acquisition and Filtering تھا۔اس میں ۳۰ نوجوان سائنسدانوں نے حصہ لیا جن کا تعلق بولیویا، کولمبیا، کیوبا، میکسیکو، پیرو اور ایکانڈور سے تھا۔

اعداد شمار

۱۹۸۶ء سے لیکر ۲۰۰۰ء تک اکیڈمی ۲۸۷ ایوارڈز اور پرائزز دے چکی ہے۔ ۱۴۳۴ ریسرچ گرانٹس، ۱۰۰۰ فیلوشپس جنکا تعلق ایک سو ممالک سے تھا۔۱۹۸۵ء میں پاکستان کے سلیم الزمان صدیقی کو ایوارڈ سے نوازا گیا۔جبکہ ۲۰۰۰ء میں پاکستان کے ریاض حسین کو بیسک میڈیکل سائنس کا ایوارڈ دیا گیا۔اب تک کل ۸۲ ایوارڈ دیئے جا چکے ہیں۔۱۹۹۰ء میں اکیڈمی کا ہسٹری آف سائنس پرائز فرانس کے رشدی راشد کو دیا گیا جس کی مالیت دس ہزار ڈالر تھی۔اسی طرح ۱۹۹۹ء میں پاکستان کے عطاء الرحمٰن کو میڈل دیا گیا۔عبد السلام میڈل فار سائینس اب تک چار افراد کو دیا جا چکا ہے۔جن میں سے مسٹر مینن کا تعلق انڈیا سے ہے۔اکیڈمی کا نیوز لیٹر ہر تین ماہ بعد شائع ہوتا ہے۔سالنامہ بھی شائع کرتی ہے جس میں ممبرز کی پروفائیل شائع کی جاتی ہے۔مزید معلومات کے لئے اکیڈمی کی ویب سائٹ سے استفادہ کریں جس کا ایڈریس مندرجہ ذیل ہے:۔

www.twas-online.org

وہی زمانے کی گردش پہ غالب آیا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمرِ جاوداں پیدا

قسط دوم

خوشبو

محمد ذکریا ورک
کنگسٹن۔ کینیڈا

انسانی ناک میں ایک ہزار کے قریب chemical receptors ہوتے ہیں جو خوشبو کے مختلف کیمیائی خواص میں پہچان کر لیتے ہیں۔ پھر پہچان کے یہ پیغامات دماغ کے اس حصہ کو بھیجے جاتے ہیں جس کو olfactory bulb ہیں اور جو آنیوالی انفارمیشن کو پروسیس کرتا ہے۔

غذا اور خوشبو

جو لوگ گوشت خور ہوتے ہیں ان کے جسم سے جو بد بو آتی ہے وہ سبزی خوروں سے مختلف ہوتی ہے۔ بچے بڑوں کی نسبت مختلف قسم کی خوشبو کے حامل ہوتے ہیں۔ جو لوگ ہسپتال میں کام کرتے ہیں ان سے بھی خاص قسم کی بو آتی ہے۔ جسم سے بو آنے میں بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں جیسے انسان کی صحت، اس کا پیشہ، غذا جو وہ کھاتا ہے۔ دوائی کا استعمال، اور انسان کی جذباتی حالت وغیرہ۔

پکے ہوئے تازہ کھانے کی خوشبو اور بھوک کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انسان باہر سے جب گھر آئے تو تازہ کھانے کی خوشبو سے بھوک دوبالا ہو جاتی ہے اور بعض لوگ تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک پتہ نہ چل جائے کہ کیا پکا ہے یا اس کو چکھ نہ لیں تو ان کو چین نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی کھانوں میں جملہ مصالحہ جات کے علاوہ زعفران، روح کیوڑہ استعمال کیا جاتا ہے۔ زعفران دنیا کا سب سے زیادہ مہنگا مصالحہ مانا جاتا ہے۔ یا بعض دفعہ چاولوں میں مالٹوں کی چھلکیں ڈال دی جاتی ہیں تاکہ بھینی بھینی خوشبو آئے اور پیٹ بھرنے کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی فرحت پہنچے۔ کھانے کے مزیدار ہونیکا فیصلہ سب سے پہلے خوشبو کے ذریعہ ہی کیا جاتا ہے۔ پنجاب کے رہنے والے میتھی کی خوشبو سے خوب واقف ہیں نہ صرف اس کے کھانے کا مزہ آتا ہے بلکہ اس کی خوشبو بھی روح اور جان کو معطر کر دیتی ہے۔ چائے میں چھوٹی الائچی ڈالنے کا مقصد بھی یہی ہے کیونکہ اس کی خوشبو سے مسام جاں معطر ہو جاتے اور پینے کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔

کینیڈا میں بعض ریستوران عمداً ڈبل روٹی جلاتے ہیں تاکہ اس کی خوشبو پورے علاقہ میں پھیل جائے۔ ہم ایک دفعہ اپنے دوست کا گھر بھول گئے جب ان کی ہائی رائز بلڈنگ میں پہنچے تو جس گھر سے ہمیں پاکستانی کھانے کی خوشبو آئی ہم جان گئے کہ یہی ہمارے دوست کا گھر ہے۔ سائینسدانوں کے مطابق خوشبو کی حس ہمارے جسم میں چکھنے کی حس کی نسبت دس ہزار گنا زیادہ ہوتی ہے۔ امریکہ اور کینیڈا میں کسی کافی کی دکان پر جائیں وہاں آپ کو کئی اقسام کی خوشبودار کافی جیسے french vanilla, hazelnut, amaretto, irish cream پینے کو ملے گی۔ مغربی ممالک میں آئس کریم، کیک، پیسٹریاں، بسکٹ، ادویاء، کوک میں خوشبو کیلئے vanilla کا استعمال بہت کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس بات پر مکمل یقین رکھتے ہیں کہ "the way to a man's heart is through his stomach." اس کے ساتھ ساتھ ونیلا کو مغرب میں aphrodisiac بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔

دنیا میں خوشبو سونگھنے کی نعمت سب سے زیادہ ایک خاتون ہیلن کیلر Helen Keller کو ودیعت کی گئی تھی وہ کہا کرتی تھی کہ مختلف اشخاص کو سونگھنے سے وہ بتلا سکتی ہے کہ ان کا پیشہ کیا ہے۔

خوشبو اور جانور

جانوروں کو مار کر خوشبو نکالنے کی رسم بہت پرانی ہے۔ جیسے ایشیا کے ہرن کے پیٹ کے اندر سرخ رنگ کا ایک مادہ ہوتا ہے جس سے مشک کی خوشبو تیار کی جاتی ہے۔ اسی طرح ایتھوپیا کے ملک میں پائے جانیوالی بلی جو گوشت خور ہوتی ہے اس کے جسم سے جو پرفیوم بنتا ہے اس کا نام Civet ہے۔ کینیڈا اور روس کے ممالک میں پایا جانیوالا جانور جس کا نام Beaver ہے اس کے جسم سے جو پرفیوم بنتا ہے اس کا نام Castoreum ہے۔

بعض پودوں میں سے اس قدر بدبو پیدا ہوتی ہے کہ چرند پرند ان سے دور رہنا ہی مناسب سمجھتے ہیں۔ ان پودوں کے نام Rosemary & Sage ہیں۔ جانوروں میں سے امریکہ اور کینیڈا میں پایا جانیوالا جانور Skunk ہے جو دفاع کے طور پر اپنی لمبی دم کے نیچے سے ناقابل برداشت بدبو کا سپرے کرتا ہے جو کئی فٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ راقم الحروف کے گیراج میں پچھلے سال رات کے وقت یہ جانور آ گیا مگر باہر جانے میں اس کو جب دقت ہوئی تو اس نے مجھ پر سپرے کر دیا۔ مگر خوش قسمتی سے میں کافی دور تھا اس لئے بچ گیا مگر گیراج میں سے بدبو جانے میں کئی ہفتے لگ گئے۔ جس کیمیکل کا یہ سپرے کرتا ہے اس سے بینائی کھونے کا احتمال ہوتا ہے۔ ایک دفعہ یہ سپرے کر دے تو ہوا کے رخ کے مطابق اس کی بدبو کافی دور تک پہنچ جاتی ہے اور نہایت دل آزار ہوتی ہے۔

کتوں میں جسمانی بو سونگھنے کی حس اس قدر پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے مالک کی پہچان اس کو سونگھنے سے کر لیتے ہیں۔ امریکہ اور کینیڈا میں پولیس کے محکمہ نے بعض ایسے کتے پال رکھے ہیں جو افیون یا چرس چاہے وہ جہاں بھی چھپی ہو اس کو کھٹ سے تلاش کر لیتے ہیں۔ چوروں یا ڈاکوؤں کو تلاش کرنے کیلئے یا اشیاء کو تلاش کرنے کیلئے بھی کتے استعمال میں لائے جاتے ہیں اور ان کے کسی چیز کو تلاش کرنے کا راز خوشبو یا بدبو میں ہے۔ پولیس اسٹیشن میں ایسے کتوں کے یونٹ کو وہ K-nine Unit کہتے ہیں۔ چمگادڑ اپنے بچے کو اس کی مخصوص جسمانی بو سے پہچانتی ہے۔ خرگوش میں سونگھنے کی اہلیت کا تجربہ تو ہم نے خود کیا۔ ہم نے اپنے گھر کے پچھلے حصہ میں موسم گرما میں گاجر کے بیج لگائے، جب گاجر نکل آئی تو کوئی خرگوش ہر روز ہمارے بیک یارڈ میں آکر زمین میں دفن گاجر نکال کر کھاتا رہا کیونکہ اس کو اس کی خوشبو دور تک آجاتی تھی۔

آج سے بیس سال قبل سائنسدانوں کا خیال تھا کہ پرندوں میں خوشبو سونگھنے کی زیادہ اہلیت نہیں ہوتی ہے۔مگر جدید تحقیق کے مطابق اب ان کا کہنا ہے کہ پرندوں میں سے درج ذیل پرندوں کے دماغ میں olfactory lobes اتنے ڈی ویلوپ ہو گئے ہیں کہ وہ سونگھ سکتے ہیں albatross, petrels ,the kiwi and the American turkey buzzard. ۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک پرندہ جس کا نام Starling ہے وہ اپنا گھونسلہ بنانیکا فیصلہ مختلف اقسام کی لکڑیوں سے آنیوالی خوشبو سے کرتا ہے۔اسی طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ کتوں اور گھوڑوں میں اپنے مالک کے خوف زدہ ہونے پر وہ اس کا اندازہ خوف سے پیدا ہونے والی بو سے کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ جب خوف زدہ ہوتے ہیں تو ان کی بغلوں سے جو پسینہ خارج ہوتا ہے اس سے بہت ہی ناقابل برداشت بو آتی ہے۔گدھیں مردہ جسم کی بو میل ہا میل سے سونگھ کر اس کے مقام کا تعین کر لیتی ہیں۔بعض سمندری پرندے تو نیوی گیشن یعنی اپنے راستہ اور سفر کا تعین ہی سونگھنے سے کرتے ہیں۔چھپکلی اپنی زبان سے سونگھتی ہے۔اسی طرح گلہریاں جو غذا زمین کے اندر فوڈ سٹور کرنے میں مہارت رکھتی ہیں وہ seeds and nuts جیسے مونگ پھلی مہینوں پہلے زمین کے اندر دبا دیتی ہیں مگر سردیوں میں بوقت ضرورت وہ اس کا تعین سونگھنے سے لگاتی ہیں کہ ان کو کہاں دفنایا تھا۔

شہد کی مکھی کے این ٹینا کے اندر chemoreceptors موجود ہوتے ہیں جن کی وجہ سے وہ خاص خاص پھولوں سے آنیوالی خوشبو کی وجہ سے ان پر زیادہ بیٹھتی ہے۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنا چھتہ خوشبو سونگھ کر ہی تلاش کر لیتی ہیں۔اگر کوئی شخص ان کے چھتہ کے قریب برے ارادہ سے جائے تو یہ دفاع کے طور حملہ کر کے ڈنگ مارتی ہے۔اس ردعمل پر اس کے جسم سے خارج ہونے والی خاص قسم کی بو آتی ہے جس کو Alarm Pheromone کہتے ہیں یہ بو کیلے سے ملتی جلتی ہوتی ہے اس بو کے ہوا میں پھیلنے پر دوسری مکھیوں کو اطلاع ہو جاتی ہے کہ چھتہ خطرہ میں ہے اور وہ وہاں فوراً آجاتی ہیں۔یہ فیرومون کپڑوں پر بھی گر جاتا ہے اس لئے اگر مکھی نے کاٹا ہو تو کپڑوں کو دھولینا مناسب ہے۔چھتہ کے اندر مکھیوں کی ملکہ جب سلسلہ جنبانی چلانا چاہتی ہے تو فیرومون جسم سے خارج کرتی ہے۔ چھتے کے اندر دوسری مکھیاں ملکہ کی پہچان اس سے آنیوالی منفرد خوشبو سے ہی کرتی ہیں۔

مذکر تتلیاں دور سے مؤنث تتلی کا اندازہ سونگھنے سے لگاتی ہیں اگر چہ ان میں سونگھنے کی اہلیت زیادہ نہیں ہوتی ہے۔چوہوں میں بھی سونگھنے کی اہلیت شدید قسم کی ہوتی ہے وہ غذا اور مختلف گھروں میں موجود خفیہ راستوں کو سونگھ کر ہی تلاش کرتے ہیں۔ کینیڈا کے سب سے بڑے اخبار ٹورنٹو سٹار کی ۲۰ ستمبر ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں صفحہ نمبر ایل ۳ پر یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ دارالسلام (تنزانیہ) سے ۱۶۰ کیلومیٹر دور Sokoine University of Agriculture میں سائنسدان افریقن فربہ چوہوں کو اس قسم کی ٹریننگ دے رہے ہیں کہ وہ زمین میں مدفون لینڈ مائنز کو تلاش کر سکتے ہیں۔یہ چوہے ڈیڑھ کیلوگرام وزنی اور ۷۶ سینٹی میٹر لمبے ہوتے ہیں۔۳۰۰ کے قریب ایسے بے کئے چوہے یہ ٹریننگ لیبارٹری کے اندر لے رہے ہیں کہ ڈائینا مائیٹ اور ٹی این ٹی کی خوشبو سے وہ لینڈ مائین کو تلاش کر لیں گے۔ٹریننگ کے بعد ان کو موزنبیق کے ملک میں لے جایا جائیگا۔

پھر سالمن مچھلی Pacific salmon میں بھی سونگھنے کی حس بہت طاقتور ہوتی ہے۔سالمن مچھلی اپنا راستہ کس طرح تلاش کرتی ہے یہ دیکھنے کیلئے کینیڈا کے ایک پروفیسر Hasler نے صوبہ برٹش کولمبیا کے پاس بحر اوقیانوس میں تین سو مچھلیوں کو پکڑ لیا پھر وہ ان کو اس جگہ پر لے گیا جہاں سے وہ آئیں تھیں ان میں سے نصف کے ناک روئی سے بند کر دئے گئے اور ان سب کو چھوڑ دیا گیا۔دیکھنے میں آیا کہ جن کے ناک بند کئے گئے تھے وہ تو گم ہوگئیں مگر باقی اپنے مقام پر بخیریت پہنچ گئیں۔دیکھنے میں آیا ہے کہ سالمن مچھلی سمندر میں جس جگہ انڈے دیتی ہے وہ اس کی پہچان پانی کے بہاؤ کے خلاف خوشبو سونگھ کر لیتی ہے۔

الیکٹرانک نوز(ناک)

خطرناک کیڑوں میں سے بھڑ ایسا کیڑا ہے کہ اس کو غذا کی خوشبو میلوں دور تک آجاتی ہے اور پھر وہ بھاگم بھاگ فوڈ پر حملہ آور ہوجاتا ہے۔اس سال ستمبر میں ہم لوگ پارک میں پکنک منانے گئے جوں ہی فوڈ کے بیگ کھولے واسپ آنا شروع ہوگئے۔گویا ان کا تو میلہ لگ گیا۔برطانیہ کے اخبار ڈیلی گراف (۱۶ دسمبر ۲۰۰۱ء) میں یہ رپورٹ شائع ہوئی ہے کہ ہالینڈ میں سائنسدانوں نے زمین کے اندر دفنائی ہوئی لینڈ مائنز کا کھوج لگانے کیلئے واسپ کو ٹریننگ دینا شروع کر دی ہے جو لینڈ مائنز کو ان کی خوشبو سے تلاش کر لیتے ہیں۔واسپ کو تربیت دینے کیلئے صرف ایک گھنٹہ کی مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ڈچ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ امریکہ کی جنوبی ریاستوں (جیسے فلوریڈا) سے لائی ہوئی ان واسپ کے اندر سونگھنے کی شدید اہلیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنا شکار جلد تلاش کر لیتی ہیں۔امریکہ میں بھی اس ضمن میں ریسرچ کا کام محکمہ دفاع کی ایڈوانس ریسرچ ایجنسی کے تحت واسپ پر ریسرچ کا کام ہو رہا ہے۔یہ ایجنسی اب تک ۳۰ ملین ڈالر اس خاص نوعیت کی ریسرچ پر خرچ کر چکی ہے۔امریکی سائنسدانوں کو یقین ہے کہ واسپ کو کیمیکل اور بائیولاجیکل ویپنز (جیسے اینتھریکس) تلاش کرنے کیلئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

اوہائیو اسٹیٹ یونیورسٹی (کولمبس) میں سائنسدانوں نے الیکٹرانک نوز (کمپیوٹر سے بنی ہوئی ناک) ایجاد کی ہے جو پنیر کی مختلف اقسام سے آنیوالی خوشبوؤں کو سونگھنے میں فرق کر سکتی ہے۔ایسی الیکٹرانک ناک کی قیمت ایک لاکھ امریکی ڈالر ہے۔یاد رہے کہ انسانی ناک جب دس منٹ تک خوشبوؤں کو مسلسل سونگھ لے تو اسے چند منٹ کے وقفہ کی ضرورت ہوتی ہے مگر اس لیکٹرانک ناک میں یہ کمی نہیں پائی جاتی۔ایک تجربہ میں جب سوس پنیر کی پانچ اقسام کو سونگھنے کیلئے اسے دیا گیا تو اس نے ہر پنیر میں صحیح صحیح فرق بتلا دیا۔

(جاری ہے........)

تعارف

نوٹ: گذشتہ شمارہ میں ''منظوم تاریخ احمدیت'' تخلیق کرنے والے احمدی شاعر جناب مبشر خورشید کا تعارفی خاکہ چھپنے سے رہ گیا تھا۔ تلافی کیلئے اس شمارہ میں مبشر خورشید صاحب کا شخصی تعارف بھی پیشِ قارئین ہے۔

مبشر خورشید احمدی شعرا میں ایک جانا پہچانا نام ہے۔ روزنامہ الفضل ربوہ میں محترم روشن دین تنویر صاحب مرحوم کی ادارت کے زمانہ سے لکھنا شروع کیا پھر دیگر جماعتی اخبار ورسائل خالد، مصباح، انصار اللہ کے علاوہ جناب ثاقب زیروی کے ''لاہور'' میں گاہے بگاہے ان کی نظمیں شائع ہوتی رہیں۔ راولپنڈی اسلام آباد کے ادبی حلقوں میں بھی ان کی شعری کاوشوں کو تحسین کی نظر سے دیکھا جانے لگا ساتھ ہی مشاعروں میں مبشر خورشید کے کلام کی گونج سنائی دینے لگی۔ ایم ٹی اے پر ان کی نظمیں اور جماعتی مشاعروں میں سنایا گیا کلام اکثر تندِ مکرر کے طور پر دکھایا سنایا جاتا ہے۔ القلم دارالاشاعت بلیو ایریا اسلام آباد پاکستان سے ان کا پہلا شعری مجموعہ ''ذراسی روشنی'' 1996ء میں شائع ہوا۔ پیشے کے لحاظ سے انجنیئر ہیں۔ ٹیکسلا کے بھاری مشینوں کے کارخانہ میں ڈیزائننگ کے شعبہ سے منسلک تھے۔ 1997ء میں بطور پرنسپل ڈیزائن انجنیئر ریٹائر ہوئے۔ نحن انصار اللہ کو بغرضِ اشاعت بھجوایا جانیوالا ''منظوم تاریخ احمدیت'' کا ہاتھ سے لکھا ہوا قلمی نسخہ، جہاں خوبصورتی، نفاست اور خوشخطی کا دلفریب مرقع ہے، وہیں موصوف کی ''انجنیئرنگ و ڈیزائننگ'' کا پرتو بھی!

دوران ملازمت مختلف ممالک کا سرکاری دورہ کیا جن میں چین، جرمنی، آسٹریا، بلجیئم، برطانیہ اور امریکہ شامل ہیں۔ 2000ء میں کینیڈا آمد کے بعد گزشتہ تین سال سے نارتھ یارک جماعت کے جنرل سیکریٹری کے طور پر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مبشر خورشید مشکل سے مشکل مضمون کو نہایت سادہ زبان میں بڑی چابکدستی سے نظم کر جاتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تحریر فرمودہ الہامی الفاظ خصوصاً پیشگوئی مصلح موعودؓ کے الفاظ کو شعروں میں ڈھال لینا فنِ شعر گوئی پر ان کے مکمل عبور اور جملہ فنی محاسن کا ایک خوبصورت نمونہ ہے جو انشاء اللہ باری آنے پر جریدۂ ہذا کے صفحات کی زینت بنایا جائے گا۔ روحانیت اور اخلاقیات سے جڑے ہوئے اس شاعر کا اندازِ فکر خالص مشرقی ہے اور اپنے کلام میں یہ تہذیب و اخلاق کے مبلغ نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری حسن اور لطافت کا مرقع ہے۔ مشہور شاعر اور پروفیسر جناب انور مسعود کے بقول:

''مبشر خورشید کا مجموعی رویہ اخلاقی ہے زمینِ شعر میں انہوں نے بڑے مہکتے ہوئے پھول کھلائے ہیں۔ شعر میں ڈھلی ہوئی شگفتگی جس کے پیچھے بھرپور دردمندی ہو مبشر خورشید کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے ان کا شعر مزہ بھی دیتا ہے اور درس بھی''۔

ٹورنٹو کے اخبارات میں ان کا کلام کثرت سے شائع ہو رہا ہے اگر یہ چاہیں تو شائع شدہ کلام سے کئی مجموعے ترتیب دے سکتے ہیں۔

گزشتہ شمارہ سے ان کی تحریر کردہ ''منظوم تاریخ احمدیت'' جسے ناظر صاحب اشاعت ربوہ کی منظوری حاصل ہے نحن انصار اللہ میں قسط وار شائع کی جارہی ہے۔ اِس قسم کے کلام کی اشاعت کا ایک مقصد یہ بھی ہے جس کی روایت حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب ''ذکرِ حبیب'' میں ملتی ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: ''کسی عمدہ نظم یا اشعار کے سننے سے بھی بعض دفعہ کسی دل سے غفلت کے جندرے (قفل) کھل جاتے ہیں اور بیداری پیدا ہو جاتی ہے۔''

مبشر خورشید صاحب اپنی مذکورہ شعری تخلیق کے متعلق کہتے ہیں ۔

میرا مقصود بتلانا ہے اک مسلک کی سچائی
میں دینا چاہتا ہوں سب کو وہ نعمت جو خود پائی

(ایڈیٹر)

☆ ☆ ☆

قسط دوم

منظوم تاریخ

سلام اُس نور پر جو آمنہ کی گود میں چمکا.........

دعائیں حضرت ابراہیمؑ نے جو کی تھیں رو رو کر
خُدایا بھیج میری نسل سے اِک اعلیٰ پیغمبر
دُعا سن کر خدائے پاک نے کِس خُوب کو بھیجا
جو تھا اُس کو بہت پیارا اُسی محبوب کو بھیجا
جو اندیشہ، فِکر یار میں صدیقؓ کو ڈالا
تو بنوایا اُدھر مکڑی سے منہ پر غار کے جالا
زمیں پر صرف قائم اب محمدؐ کی رسالت ہے
کہ جس کے ساتھ ہی اب ختم تشریعی نبوت ہے
ہے سب کا ختم لیکن مصطفیٰؐ کا فیض جاری ہے
گذشتہ سارے نبیوں پر محمدؐ ایک بھاری ہے
سلام اُس نور پر جو آمنہ کی گود میں چمکا
سلام اُس پھُول پر جو ریتلے صحراؤں میں مہکا
سلام اُس پر کہ جس کے راستے روکے تھے باطل نے
سلام اُس پر قدم چُومے ہمیشہ جس کے منزل نے
وہ بچہ گود لیتی تھی نہ جس کو کوئی بھی دائی
حلیمہؓ کے مقدر میں وہ دولت بے بہا آئی

(جاری ہے.........)

نمکین غزلیں

بیگم کی فرمائشی چٹھی۔ چھٹی پر آنیوالے شوہر کے نام!

(مشرقِ وسطیٰ کی ایک خلیجی ریاست سے شائع ہونیوالے ایک اردو اخبار عربؔ ٹائمز میں طبع شدہ کسی نا معلوم شاعر کی پرانی نمکین غزل قارئین باتمکین کی ضیافتِ طبع کے لئے)

ملا ہے جب سے خط پیارے، کہ چُھٹی آ رہے ہو تم
مرے سپنوں میں اُس دن سے سماتے جا رہے ہو تم

ملیں گے اتنی مدت بعد، جب یہ خیال آتا ہے
تمہارا نام لے لے کر، مرا دِل گنگناتا ہے

بہارو پھول برساؤ، مرا محبوب آئے گا
جاپانی ساڑھیاں میرے لئے کیا خوب لائے گا

میں ویگن لے کے خود آؤنگی، اپنی جان کو لینے
مرا بھائی بھی ساتھ آئیگا، بھاری سامان کو لینے

جاپانی کیمرہ اور ٹیپ ریکارڈر ہاتھ میں ہونگے
اٹیچی کیس بھی دو چار، تمہارے ساتھ میں ہونگے

مرے راجہ، مرے بھیّا کی ''راڈوؔ''، بھول نہ جانا
مری تو خیر ہے، باجی کی ساڑھی بھول نہ جانا

بڑے بھیّا کو، سوٹوں کے تو بس دو پیس کافی ہیں
ولایتی لکس کی ٹکیاں بھی پچیس تیس کافی ہیں

مجھے معلوم ہے، رنگین ٹی وی ساتھ لاؤ گے
فریج تو خیر تم دس روز پہلے بُک کراؤ گے

فریزر بھی اگر لاؤ، تو پھر تو مان جاؤنگی
میں قربانی کا سارا گوشت خود اسمیں سجاؤنگی

یہ کیا لکھا ہے تم نے، اور ایگریمنٹ نہیں کرنا
نہیں پیارے، اب اتنی جلد بازی بھی نہیں کرنا

ابھی گلبرگؔ میں ہم نے، نیا بنگلہ بنانا ہے
مرسڈیز کار لیکر بھی شریکوں کو دکھانا ہے

مری درخواست ہے پیارے ذرا سا غور کر لینا
اب ایگریمنٹ پھر دو سال کا اِک اور کر لینا

سیکیورٹی گارڈ

تھا کبھی انجینئرؔ میں، آج چوکیدار ہوں
شہر سارا سو رہا ہے اور میں بیدار ہوں
قیمتی چیزوں کی کرتا ہوں حفاظت رات دن
خود سے یوں غافل ہوں جیسے شے کوئی بیکار ہوں
اپنی نگرانی میں بنوائے پلازے ہیں کئی
خود مگر بے گھر ہوں اب تک اور کرایہ دار ہوں
کینیڈا میں سب سے کم اجرت کی ہے یہ نوکری
سب سمجھتے ہیں کہ کرتا ساتھ کاروبار ہوں
کر دیا افسر نے لیبر جاب سے ''فائر'' مجھے
بوجھ اٹھانے سے بتایا تھا اسے لا چار ہوں
دیس میں پیشے تھے کچھ کم تر مجھے لیکن یہاں
کام ہو کوئی بھی کرنے کیلئے تیار ہوں
کون مکتب میں یہاں اب پھر سے داخل ہو بھلا
آج تک سیکھا ہے جو کچھ اس سے بھی بیزار ہوں
دیس میں اپنے تقرر تھا میرا ''کی پوسٹ'' پر
چابیوں کا تو اٹھائے آج بھی انبار ہوں
بارہا آیا ہے ٹیکسی بھی چلانے کا خیال
کیا کروں لائیسنس سے محروم ہی ہر بار ہوں
مسئلہ آتا نہیں میرا کسی کو بھی سمجھ
میں کبھی آسان تھا لیکن یہاں دشوار ہوں
کاٹتے ہیں ''میٹ'' سرجن ''گروسری اسٹور'' پر
بوجھ لایا دل پہ اپنے جب گیا بازار ہوں
برفباری سے عوارض ہو گئے لاحق کئی
دیکھنے میں ٹھیک لگتا ہوں مگر بیمار ہوں
ہے گمان اس دیس میں میری غلط تھی ''انٹری''
جانتا ہوں سچ ہے لیکن کر رہا انکار ہوں
نہ میری تعلیم ہے تسلیم اور نہ تجربہ
ایسے لگتا ہے کہ میں ان پڑھ کوئی گنوار ہوں
ہے میرے معمول سے خورشیدؔ نالاں اہلیہ
رات دن پڑھتا یہاں بس مفت کے اخبار ہوں

☆مبشر خورشیدؔ۔ نارتھ یارک☆

گریٹر ٹورنٹو و گردونواح کی مجالس کا مصلح موعودؓ ٹورنامنٹ

(چند تصویری جھلکیاں)

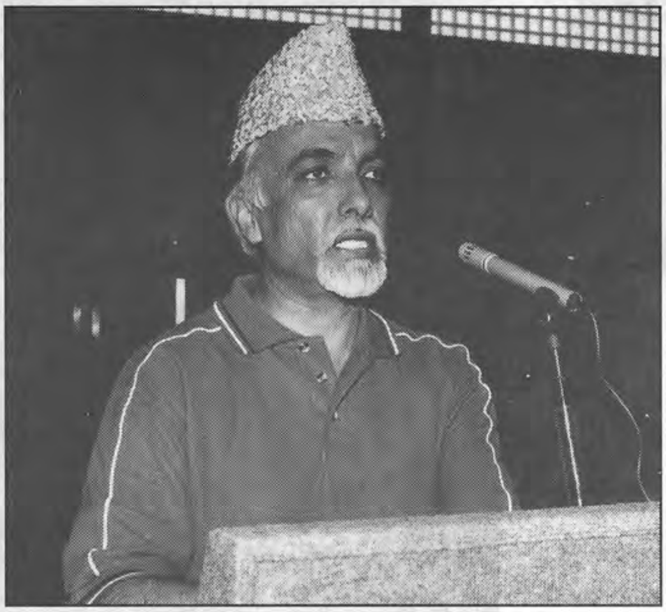

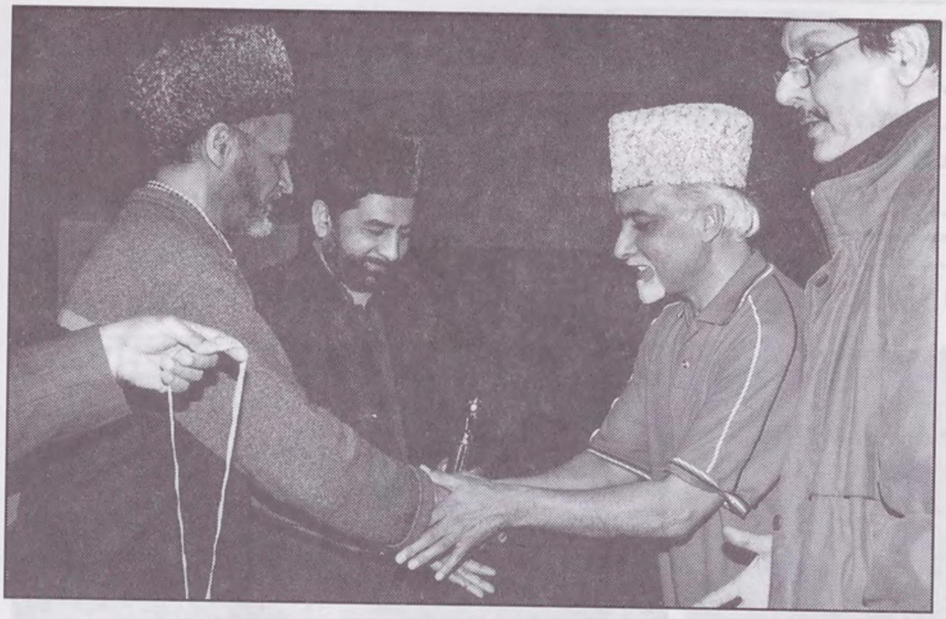

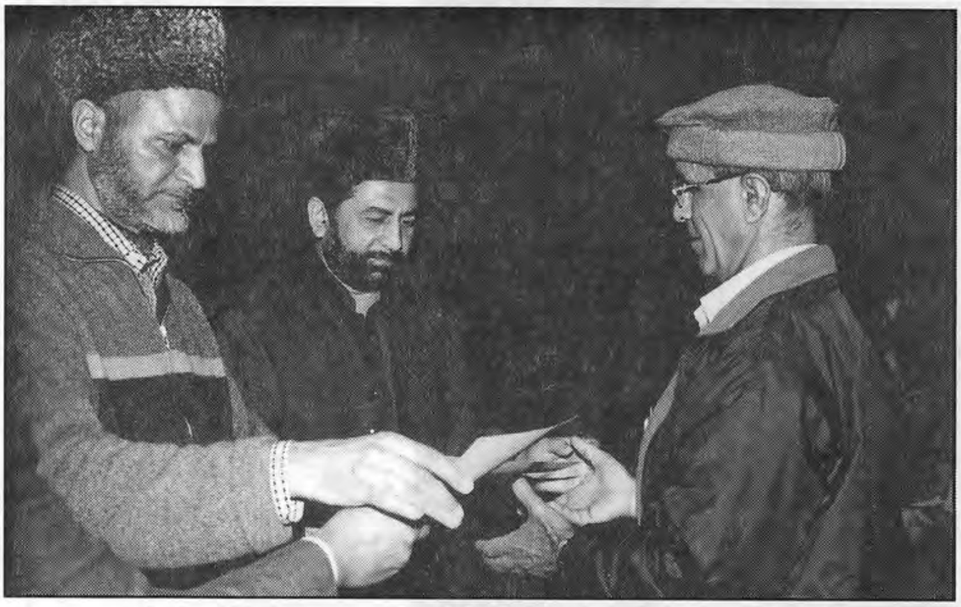

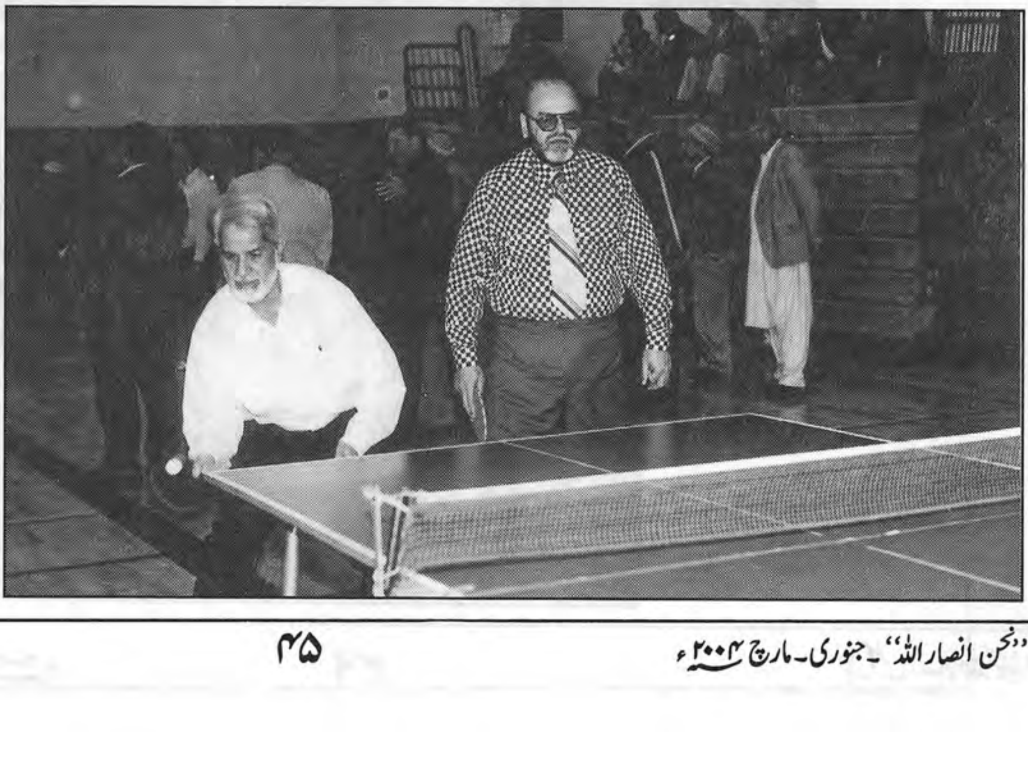

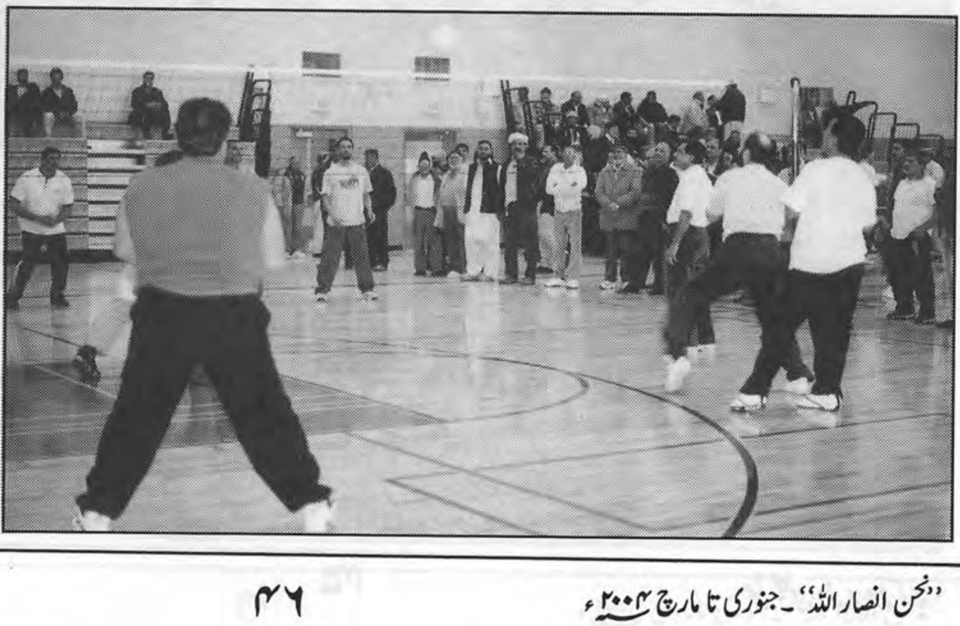

Blood and urine tests will show if the disease is under control.

Type II Diabetes:

Type II, non-insulin dependent diabetes, is the most common form of the disease. It usually occurs in people who are over the age of 45 and overweight.

These patients do not make enough insulin, or are unable to make proper use of it.

Without enough insulin, the body cannot move blood sugar into the cells. Sugar builds up in the bloodstream and causes health problems.

Causes Type II Diabetes:

Again, the cause of the disease is unknown, but is probably inherited. In type II diabetes, other factors appear to trigger the disease such as obesity, stress etc.

The Symptoms:

Type II diabetes often develops slowly. Most people who get it have increased thirst and an increased need to urinate. Many also feel tired, irritable and nauseous. Some people have an increased appetite, but they lose weight.

Other signs are:

- Repeated or hard-to-heal infections of the skin, gums, urinary tract and bladder etc.
- Blurred vision.
- Tingling or loss of feeling in the hands or feet.
- Dry, itchy skin.

The symptoms can be so mild that they go unnoticed. They may also be confused with signs of ageing. It is thought that millions of people worldwide suffer from this diabetes without even realizing it.

How to control it?

Type II diabetes can be controlled by keeping blood sugar levels as close as possible to normal.

This can be done by regular exercise and diet control alone.
Losing weight helps some overweight people to bring their blood sugars into the normal range.

Please contact your family doctor for detailed instructions.

Diabetes

A simple and brief guide.

(Dr Sajid Ahmad)

Diabetes is on the increase, probably because people are living longer, getting fatter and leading increasingly inactive lifestyles.

It is a hormone disorder that can cause problems with the kidneys, legs and feet, eyes, heart, nerves, and blood flow. If left untreated, these problems can lead to kidney failure, gangrene leading to amputation, blindness, and or stroke.

There are two types of diabetes:

Type I Diabetes, also known as insulin dependent or immune-mediated diabetes, is a disease that destroys the special cells, in the pancreas, that produce the insulin.

Insulin is needed to control blood sugar levels. Without insulin death is inevitable.

These patients, who typically develop the condition as children or young adults, are usually unable to produce any insulin at all.

They need to boost their insulin levels regularly. It cannot be administered as a pill because the digestive process would destroy it before it had a chance to work.

Type I diabetes often appears suddenly.

Signs and Symptoms are:

- High levels of sugar in the blood.
- High levels of sugar in the urine.
- Frequent urination (and/or bed-wetting in children).
- Extreme hunger.
- Extreme thirst.
- Extreme weight loss.
- Weakness and tiredness.
- Irritability and mood swings.
- Nausea and vomiting.

Cause of Type I diabetes:

The cause of the disease is unknown, although there is evidence that it might be inherited.
Other environmental factors and illnesses seem to trigger the disease.

The patients can live happy, healthy lives provided they follow a strict diabetes treatment plan.

Blood sugar levels must be kept as close to normal as possible through insulin injections, regular exercise, and control of diet.

your house or the houses of the fathers or separately."

Sick person does not have to fast either. (2:185-186) " For those who cannot fast... for anyone of you who is sick or on journey, there is then the same as on other days, and for those who find it hard to bear, there is redemption by giving alms to the poor."

Chapter 73 verse 20 extends the tolerance in regards to performance of Salat by the sick. "He knows that there will be among you who are sick and others among you moving on the earth seeking God's grace, therefore recite whatever is easy thereof".

"It is not incumbent on the blind, lame, or the sick to go to war against the unbelievers". (48:18)

Food

"Eat of the good things we have provided you with" (2:58).
"Allah has promised to the believers a mixed kind of food (meat & fruit) in Paradise". (52:23)

Verses 6:144-145 specify the kind of animals that may be eaten by Muslims; sheep, goats, cows, and camels are permitted as food.

Verse 6:146 indicates that pork is forbidden.

Chapter 5 verse 2 allows food gained by hunting.

The blood as an article of food is not permissible. (6:146).

Birds are allowed and even promised to the dwellers of paradise. (56:22).

The fruits of palm tree and vineyards are recommended, "And out of the fruits of palms and grapes... there is healing for mankind". (16:69 & 70).

Dates, figs, olives, berries, olive oil, radishes, and onions are described as healthy foods.

Bread is mentioned only once in Chapter 12 verse 37. Milk is mentioned in the Qur'an as a drink palatable to the drinkers. (16:67) Milk will be given to dwellers of paradise, along with clear honey and every kind of fruit. (47:16)

Cattle meat is allowed in 22:31.

Chapter 6 verse 100 describes date palm, cornfields, olive and pomegranate, that are recommended for their well-beings.

Milk has a physical and moral influence on the child. (28:13)

Ten Benefits of Breastfeeding

1) Children who are breast - fed develop 50% less cancer than those who are not.
2) It decreases the incidences of Urinary Infection, Crohn's Disease, and Ear Infection.
3) It is meant to grow human brains; cow's milk does not have same fatty acids that promote the growth of brain and nervous system.
4) Breast feeding mothers are more likely to return to their pre-pregnancy weight.
5) Breast feeding mothers have less risk of getting ovarian and breast cancer.
6) Breast fed baby is less prone to illness.
7) It is obviously cheaper.
8) Breast-fed babies have better hand to eye co-ordination.
9) Our bodies absorb 66% per cent of calcium found in breast milk compared to 30% calcium in cow's milk.
10) It creates long lasting bonding between the mother and the child.

Water

Water has always been considered a spiritual and physical cleanser. Water is used as a purifier before prayer service and is used to cleanse the person after cohabitation. Deceased persons are given body wash before the burial.

Chapter 47 verse 16 describes attributes of the paradise "There are rivers of water which does not become noxious." Chapter 2 verse 26 describes the paradise as "... a garden beneath which rivers flow." The unbelievers will get a "... drink of boiling water so that it tears their bowels". (47:16)

Believers will be given camphor water in paradise. "Surely the virtuous shall drink a cup tempered with camphor". (76:6) "They will be given to drink therein of a cup tempered with ginger". (76:18).

Bitter and salty seawater is mentioned in 35:13.

Tolerance of the sick

A sick person is allowed freedom from certain religious laws. A sick person is exempted from performing all the rites of Hajj, and Fasting. Chapter 24 verse 62 states, "There is no bar on the blind, no bar on the lame, nor is there any bar on the sick, nor upon yourself whether you eat in

from of seed in a sure receptacle (the womb); afterwards we made the seed coagulated blood and we formed the coagulated blood into a piece of flesh (clot); then we formed the piece of flesh into bones (skeleton) and we clothed these bones with flesh (muscles); then we produced the same by another creation".

Then in Chapter 32 verse 10 it is further explained, "And after birth God perfected him and breathed into him of His spirit and gave him hearing, sight and heart". The only organs mentioned in the Qur'an are ears, eyes, and heart. It is worthy of note that senses are developed in the manner exactly as described in the above verse, first hearing is formed, then eyes and then heart.

In Chapter 86 verses 7 - 8 are described the source of seminal fluid. "He is created from a gushing fluid coming out between the loins and the breast bones".
It is also sometimes described as "repulsive drop" as in 77:21, "Have We not created you of a repulsive drop of seed which we placed in a sure depository until the fixed time of delivery."
In Chapter 32 verse 9, it is stated that man is created from an extract of "insignificant fluid".

It would be interesting to note that the same word *ma' maheen* is used in both the references.

The safety of the seminal seed and the growth of the fetus are secured by three different layers.

Chapter 39 verse 7 states, "He formed you in the womb of your mothers by several gradual formations within three veils *(the abdominal wall, the womb, and the membranes)* of darkness in which the fetus is developed."

Breast-feeding

As for breast-feeding, the Holy Qur'an exhorts the mothers to feed their babies for a period of two years. "And the mothers suckle their children for two complete years". It is made incumbent upon the father to feed the mother and clothe her with fairness. (2:234)

A wet nurse can be employed also. Chapter 2 verse 234, "But if you desire to provide a wet nurse for your children there is no blame on you". Chapter 65 verse 7 states a similar situation.

It is believed that the woman's character and traits, whose milk baby sucks, affects the child's development later in the life.

Prophet Muhammad[sa] said, "God has created remedy for every disease".

Honey is considered a remedy for many ailments. It is mentioned in the Qur'an as a healer for mankind It is produced "from inside of a bee in which there is healing for mankind." (16:70)

Water is also employed to cure many diseases. Prophet *Ayub*[as] is directed towards a place, "Here is a cool bathing place and drink". (38:43)

The Holy Qur'an has been described as a healer for the psychological problems. "It is a healer for that which afflicts the minds". (10:58)

The important health measure mentioned in the Qur'an is rest. It is made mandatory to utilize the night for rest.
"He also made the night for you that you may rest therein, and the day sight-giving". (27:87)

Cleaning of the entire body is mandatory after sickness and sexual intercourse. (4:44)
Regular cleaning of the skin is ordered after touching unclean things, after urination, defecation and after meals. Before the prayer service, Muslims are enjoined to perform ablution that is to wash hands, feet, mouth and face thoroughly.

Anatomy in the Qur'an

There is very little described in the Qur'an about the body structure.

In Chapter 69 verse 47 it is mentioned that the large blood vessels, aorta, near the heart as, "and then we would have certainly cut his life-artery".

When discussing the origin of milk, the Holy Qur'an states, " We give a drink out of what is in their insides, from betwixt the faeces and the blood". (16:67)

Tongue and two lips are also mentioned in the Qur'an (90:9-10). Eye and treachery of the eye is mentioned in Chapter 40 verse 20. Chapter 50 verse 17 describes the jugular vein; "We are closer to him than his jugular vein"

Embryology

The process of human procreation is mentioned repeatedly. It is stated in Chapter 76 verse 3: "We have created man of the mingling seeds of both sexes".

Chapter 23 verses 13 -15 describe the formation of human body: "We created man of a finer sort of clay; afterwards we placed him in the

he called to his Lord, surely the evil one has afflicted me with toil and torment".

Janun, possession by demons, was also mentioned as another cause of disease. Pharaoh said, "Your messenger, who has been sent to you, is a possessed man". (26:28)

Astrology was related to disease too.
Abraham[as] looked and observed the stars and said, "Verily I shall be sick". (37:89-90)

Chapter 16 verse 17 states: "And they find evidence by means of the stars".

Witchcraft is also mentioned in the Qur'an as a cause of disease. Chapter 25 verse 9 states: "'You follow but a man bewitched". The Arabic word *mashur* is used for "they are lost" and indicates that the person has been bewitched.

Disease is also ascribed to magic. It was a common practice to make knots in cords and blow on them to cause injury to the enemy. One had to utter certain magical formulas on this occasion. (113:4)

Disease can also be caused by anxiety, fear, and worry. Hadhrat Yaqub's[as] eyes became dim from worry. (12:82)

Physical causes of disease include inflicted wounds; Self-inflicted injuries are referred in Aziz's wife case. (Chapter 12)

Chapter 9 verse 35 " and their foreheads and their sides and their backs shall be branded therewith".

Chapter 22 verses 20-21 " boiling water will dissolve their skins".

Diseases mentioned by name

The only two diseases mentioned by name, in the Qur'an, are leprosy and blindness.
"And thou cures the blind and the lepers with My authority". (5:111)

The meaning of Arabic word 'baida' white applies to certain skin eruptions or a number of diseases. Two verses refer to Hadhrat Musa[as] whose hand miraculously became white when he removed it from his bosom. (7:109 & 26:34)
In 28:33, the whiteness is stated to be without evil effect.

Therapy

God is the healer, "Then when I am sick, He heals me" (26:81)

The Holy Qur'an and Medical Science

Zakaria Virk, Kingston, Canada

The Holy Qur'an is primarily a religious and ethical code and not a medical work. It touches upon medical subjects only indirectly, from the viewpoint of a layman. The medical subjects dealt with in the Qur'an include:

- Dietary regulations
- Rules of cleanliness
- Problems of social hygiene
- Marriage regulations

Under the subject of hygiene may be included the methods for disposal of the dead. In tropical climates, dead bodies have to be promptly disposed off in order to render them harmless to the living. Prompt burial is the method still used.

Chapter 12 verse 42 refers to the two inmates of prison one of which was going to be left for the vultures to be consumed. This was a dream interpreted by Hadhrat Yousuf[as].

Hygienic directions are given for clothing, dwelling places, sleep, cleanliness of the skin, selection of the food, and drink, bodily care and attention to the sick. Detailed directions are given in the Qur'an how to perform ablution before offering Salat. (5:7)

Etiology of Disease

Sin is the cause of all diseases and misfortunes. Whatever good befalls on men is from God. Whatever evil befalls you is from yourself.

Surah 6 verse 18: "If Allah touches thee with affliction, there is none that can relieve there from save Him, and if He touch thee with good fortune (there is none that can impair it); for He is Able to do all things."

Chapter 6 verse 47 states: "If Allah was to take away your hearing and your eyes, and put a seal on your heart what deity other than Allah would restore it back to you?"

If all disease arises from one cause, then there is only one remedy, which is to obtain the forgiveness of Allah. Muslims are urged to eat *halal* food but also clean food that is good for their bodies as well as souls.

Allah is the cause of all causes. There are, however, secondary causes such as malignant spirits. Chapter 38 verse 42 states, "And remember our servant Job[as], when

Mennonites first arrived in Canada from the US in 1786, after the American Revolution. They acquired land from private owners in the Niagara Peninsula, in York and Waterloo counties. Such family names as *Kropf, Zehr, Ruby, Lichti, Kennel, Roth, Nafzigers, Gingerich, Bender, & Steinmans* are quite common to this day in Kitchener-Waterloo cities of Ontario.

In the 1870's, several thousand Dutch Mennonites settled in the Canadian province of Manitoba where a rapidly growing community is established in Winnipeg. There are 1000 congregations in Canada, tied into families of two types: those representing the older tradition called *Old Order Mennonite Churches*, and those representing newer structures called *Conferences*, i.e. the Conference of Mennonites in Canada.

Some famous Canadian Mennonite periodicals are *Mennonite Rundshau, Der Bolte and Die Mennonite Post*. There are many Canadian Mennonites of French, Indian, Chinese and Anglo-Saxon extraction. About 40 per cent of their marriages are now mixed.

Basic Beliefs

The primary tenet of the Amish creed is the supremacy of the Bible. Their major doctrines are:

a) Their belief in remaining separate from the world
b) Their rejection of involvement with the military
c) Each district is autonomous; there is no central organization
d) They avoid attempts to seek converts. However, some groups are active in evangelization.
e) Application of the *Ordnung* that regulates private, public, and ceremonial life.

Every Amish home has four distinctive books, the Bible, the Matyr's Mirror, a hymnbook called the Ausbund, and a prayer book, which contains the 1632 edition of the Dortecht Confession of Faith. The sacred text of the Amish people is the Bible. They interpret the Bible literally, which explains their lifestyle. (To be continued)

For further information you may visit
www.amish.net
www.mennonite.net

erupted into a breach beyond repair.

The Mennonites and the Amish have split many times either because of personality conflicts or from a deep concern about the purity of faith. Most Amish groups consider themselves cousins of the Mennonites. Both have been nourished by a common Anabaptist spring, although they have remained organizationally separate to the present day. Both churches still share the same beliefs concerning baptism, non-resistance, and basic Bible doctrines. They differ in matters of dress, technology, language, form of worship, and interpretation of the Bible.

Immigration to America

In 1681, William Penn, a member of Quakers, received land in America from King Charles II, who owed a debt to his father. The king named this land Penn Sylvania. Around 1700, Penn traveled to Germany and invited the tormented people to Pennsylvania promising them religious freedom.

A group of Mennonites immigrated to United States and established themselves in Germantown, near Philadelphia in 1683. Within six years of their arrival, they issued a protest against slavery, predating Abraham Lincoln's Emancipation Proclamation by 174 years.

The first group of Amish immigrants left Switzerland and Germany on ship *Charming Nancy*, which arrived in Philadelphia on October 8, 1737. They settled near Hamburg (now Reading) PA. Although the Amish were excellent farmers, the English looked down upon them. For instance, Benjamin Franklin dismissed them as *stupid boors*.

The first Ohio settlement was established in 1807; it now has the largest church districts and largest Amish population in the United States.

Three quarter of all Amish are settled in Ohio, Pennsylvania, and Indiana. A large majority of them lives on the farms. The total Amish population in the US is estimated at 134,000, but only adults are counted as full church members.

In 1993, the Amish celebrated their tri-centennial. Extinct in their European homeland, today more than 200,000 of them live in two hundred settlements across North America. These settlements are now prime tourist attractions.

to force them to recant, those who refused were ridiculed, their properties burned or taken away from them.

Many thousands were tortured by cutting off their tongues, hands, feet and ears or were burned at the stake, drowned in rivers, starved in prisons, or lost their heads to the executioner's sword. It is said that between 1525 - 1531 about 5,000 were killed, with last known martyr to have died in 1614 in Switzerland.

Because of this harsh persecution, many of them fled to Holland, Russia, England, Prussia, and some later moved to North America in view of the religious tolerance. This persecution led to the Amish tradition of farming and having their worship services in homes rather than churches.

In 1537 Menno Simons (1496-1561), a Dutch Catholic priest, declared that infant baptism was unscriptural, joined the movement and soon became its leader. His moderate leadership, prolific writings, preaching and tireless organizational work did much to unify the Anabaptists who were scattered in northern German states and the Netherlands. Two of his most important books are *Foundations of Christian Doctrine* (1539) and *True Christian Faith* (1541).

It is from Menno that the descendents of the Swiss Brethren derived the name Mennonite. Today close to two million Mennonites of various races and tongues are spread in more than 75 countries. Many descend from their early beginnings in Switzerland, Germany and Holland.

In 1693, a young Swiss Mennonite Bishop Jakob Ammann broke with his brethren and formed a new Christian fellowship. His followers were nicknamed Amish (pronounced Ah'mish).

Amman argued that Christians, in obedience to Christ, should wash each other's feet at the communion service. To promote doctrinal purity and spiritual discipline, Amman forbade beard trimming and fashionable dress. He administered a strict discipline in his congregations. Appealing to New Testament teaching and the practice of Dutch Anabaptists, Amman advocated shunning excommunicated members. This issue drove the decisive wedge between Amman and other Anabaptist leaders.
These theological differences as well as personal feuds eventually

Who Are the Amish?

Faith and Practice of the Amish People

Zakaria Virk, Kingston, Canada

Traveling near Kitchener (Berlin until 1916), Ontario or in agriculture paradise of Lancaster County, Pennsylvania, it is not hard to spot an Amish as their men wear broad-brimmed black hats, plain-cut trousers and the women wear bonnets and ankle length dresses. Their distinctive garb and use of horses visibly distinguishes them from other Americans.

On visiting an Amish settlement, you will notice a horse and buggy clip clopping along the road and energy producing windmills dotted in the fields. Among the Amish, horse and buggy are a powerful symbol of their way of life.

The Amish (an offshoot of Anabaptist faith) is a Protestant religious group that originated in Switzerland over 300 years ago. The Anabaptist movement started on January 21, 1525 in Zurich, Switzerland when Protestant pastor Ulrich Zwingli proclaimed that the grace of God and forgiveness of sins were freely available to all by faith alone.

In the first half of sixteenth century when Europe was embroiled in religious upheaval, a group who called themselves *Swiss Brethren* formed a fellowship. They were named Anabaptists (re-baptizers, or *Wiedertraeufer*). Both Catholics and Protestants churches persecuted them. The reason for their persecution was their belief that the church should be a group of voluntary adults, baptized during their adulthood instead of during infancy, as children are innocent. That there should be a total separation of church and state. That worship should be in the home rather than at church.

Moreover, they stressed the priesthood of all believers and adult baptism on confession of faith. At that time in Europe, adult baptism was considered a crime punishable by death. They believed that the Church had moved away from the principles revealed in the Bible, that people should be loyal to God rather than any government.

In the 16th century European society, Anabaptism came to stand for vilest person imaginable. Church and state authorities tried

"If you are referring to the natural evolutionary process, young man, yes, of course I do."
"Have you ever observed evolution with your own eyes, sir?"

The professor makes a sucking sound with his teeth and gives his student a silent, stony stare.

"Professor: Since no one has ever observed the process of evolution at work and cannot even prove that this process is an on-going endeavor, are you not teaching your opinion, sir? Are you now not a scientist, but a priest?"

" I'll overlook your impudence in the light of our philosophical discussion. Now, have you quite finished?" the professor hisses.

" So you don't accept God's moral code to do what is righteous?"

"I believe in what is - that's science!"

"Ahh! SCIENCE!" the student's face splits into a grin. "Sir, you rightly state that science is the study of observed phenomena. Science too is a premise which is flawed..."
"SCIENCE IS FLAWED?" the professor splutters.

The class is in uproar.

The Muslim student remains standing until the commotion has subsided and said, "To continue the point you were making earlier to the other student, may I give you an example of what I mean?"

The professor wisely keeps silent.

The Muslim looks around the room. "Is there anyone in the class who has ever seen the professor's brain?"

The class breaks out in laughter. The Muslim points towards his elderly, crumbling tutor.
"Is there anyone here who has ever heard the professor's brain, felt the professor's brain, touched or smelt the professor's brain?"

No one appears to have done so.

The Muslim shakes his head sadly. "It appears no-one here has had any sensory perception of the professor's brain whatsoever. Well, according to the rules of empirical, stable, demonstrable protocol, science, I DECLARE that the professor has no brain."

The class is in chaos. The Muslim sits... Because that is what a chair is for.

♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦♦

You're Getting Old When

- Everything hurts and what doesn't hurt doesn't work.
- Your knees buckle, and your belt won't.
- You sink your teeth into a steak, and they stay there.
- Your little black book contains only names that end in M.D.
- You know all the answers, but nobody asks you the questions.
- Your ears are hairier than your head.

God. You are viewing the concept of God as something finite, something we can measure. Sir, science cannot even explain a thought. It uses electricity and magnetism but has never seen, much less fully understood them. To view death as the opposite of life is to be ignorant of the fact that death cannot exist as a substantive thing. Death is not the opposite of life, merely the absence of it."

The young man holds up a newspaper he takes from the desk of a neighbor who has been reading it. "Here is one of the most disgusting tabloids this country hosts, professor. Is there such a thing as immorality?"

" Of course there is, now look..."

"Wrong again, sir. You see! Immorality is merely the absence of morality. Is there such thing as injustice? No. Injustice is the absence of justice. Is there such a thing as evil?" The student pauses. "Isn't evil the absence of good?"

> The Being of God is hidden upon hidden and beyond of beyond and is most secret and cannot be discovered by the power of human reasoning alone, and no argument can prove it conclusively; inasmuch as reason can travel only so far that contemplating the universe it feels the need of a Creator. But the feeling of a need is one thing and it is quite another to arrive at the certainty that the God Whose need has been felt does in fact exist. As the operation of reason is defective, incomplete and doubtful, a philosopher cannot recognize God purely through reason. Most people who try to determine the existence of God Almighty purely through the exercise of reason, in the end become atheists. Reflecting over the creation of the heavens and the earth does not avail them much and they begin to deride and laugh at the men of God.
> *[Haqiqatul Wahi, (Qadian, 1907), & Ruhani Khaza'in (London, 1984), Vol. 22, pp. 117-118].*

The professor's face has turned an alarming color. He is so angry he is temporarily speechless.

The Muslim continues. "If there is evil in the world, professor, and we all agree there is, then God, if he exists, must be accomplishing a work through the agency of evil. What is that work, God is accomplishing? The Qur'an tells us it is to see if each one of us will, of our own free will, choose good over evil." The professor bridles. "As a philosophical scientist, I don't vie this matter as having anything to do with any choice; as a realist, I absolutely do not recognize the concept of God or any other theological factor as being part of the world equation because God is not observable." "I would have thought that the absence of God's moral code in this world is probably one of the most observable phenomena going," the Muslim replies. "Newspapers make billions of dollars reporting it every week! Tell me, professor. Do you teach your students that they evolved from a monkey?"

The professor turns and smiles. "Ah, another Muslim in the vanguard! Come, come, young man. Speak some proper wisdom to the gathering."

This Muslim student looks around the room, "Some interesting points you are making, and sir. Now I've got a question for you. Is there such thing as heat?" "Yes," the professor replies. "There's heat."

Second Muslim: "Is there such a thing as cold?" The Professor: "Yes, son, there's cold, too."

Second Muslim: "No, sir, there isn't." The professor's grin freezes. The room suddenly goes very cold.
The second Muslim continues. "You can have lots of heat, even more heat, super-heat, mega-heat, white heat, a little heat or no heat but we don't have anything called 'cold'. We can hit 458 degrees below zero, which is no heat, but we can't go any further after that. There is no such thing as cold; otherwise, we would be able to go colder than 458. You see, sir, cold is only a word we use to describe the absence of heat. We cannot measure cold. Heat we can measure in thermal units because heat is energy. Cold is not the opposite of heat, sir, just the absence of it."

Silence! A pin drops somewhere in the classroom.
Muslim Student: "Is there such a thing as darkness, professor?"
The Professor: "That's a dumb question, son. What is night if it isn't darkness? What are you getting at...?"

Second Muslim: "So you say there is such a thing as darkness?"
Atheist Professor: "Yes..."

The Muslim: "You're wrong again, sir. Darkness is not something; it is the absence of something. You can have low light, normal light, bright light, flashing light but if you have no light constantly you have nothing and it's called darkness, isn't it? That's the meaning we use to define the word. In reality, Darkness isn't. If it were, you would be able to make darkness darker and give me a jar of it. Can you...give me a jar of darker darkness, professor?"

Despite himself, the professor smiles at the young effrontery before him.

This will indeed be a good semester. "Would you mind telling us what your point is, young man?"

The Muslim: "Yes, professor. My point is, your philosophical premise is flawed to start with and so your conclusion must be in error...."

The professor goes toxic. "Flawed...? How dare you...!""

The Muslim: "Sir, may I explain what I mean?"
The class is all ears.
"Explain... oh, explain!" The professor makes an admirable effort to regain control. Suddenly he is affability itself. He waves his hand to silence the class, for the student to continue.

The Muslim: "You are working on the premise of duality," the Muslim explains. "That for example there is life and then there's death; a good God and a bad

exist in this world? "
The student squirms on his feet. "Yes."
Professor: "Who created them? "
Student: [No answer]

The Professor suddenly shouts at his student. "WHO CREATED THEM? TELL ME, PLEASE!"

The Professor closes in for the kill and climbs into the Muslim's face.

The Professor, in a still small voice, "God created all evil, didn't He, son?"
Muslim Student: [No answer]

The student tries to hold the steady, experienced gaze and fails. Suddenly the lecturer breaks away to pace the front of the classroom like an aging panther. The class is mesmerized.

The Professor: "Tell me," he continues, "How is it that this God is good if He created all evil throughout all time?"

The Atheist Professor swishes his arms around to encompass the wickedness of the world.

The Professor: "All the hatred, the brutality, all the pain, all the torture, all the death and ugliness and all the suffering created by this good God is all over the world, isn't it, young man?"
Muslim Student: [No answer]

The Professor: "Don't you see it all over the place? Huh?"
Muslim Student: [No answer]

The Professor: "Don't you?" The professor leans into the student's face again and whispers, "Is God good?"
Muslim Student: [No answer]
The Professor: "Do you believe in God, son?"
The student's voice betrays him and cracks. "Yes, professor. I do."

The Professor shakes his head sadly. "Science says you have five senses you use to identify and observe the world around you. Have you?"
The Student: "No, sir. I've never seen Him."

The Professor: "Then tell us if you've ever heard your God?"
The Student: "No, sir. I have not."

The Professor: "Have you ever felt your God, tasted your God or smelt your God...in fact, do you have any sensory perception of your God whatsoever?"
The Student: [No answer]

The Professor: "Answer me, please."
Muslim Student: "No, sir, I'm afraid I haven't."

The Professor: "You're AFRAID... you haven't?" Muslim student: "No, sir."

Atheist Professor: "Yet you still believe in Him?" Muslim Student: "...yes..."

The Professor: "That takes FAITH!"
The professor smiles sagely at the underling.

"According to the rules of empirical, testable, demonstrable protocol, science says your God doesn't exist. What do you say to that, son? Where is your God now?" [The student doesn't answer]

The Professor: "Sit down, please."
The Student sits...defeated.

Another Muslim student raises his hand. "Professor, may I address the class?"

Why Science fails to explain GOD?

(Received via e-mail, Author Anonymous)

"Professing to be wise, they became fools!"
"Let me explain the problem, science, has with GOD." One atheist professor of philosophy pauses before his class and then asks one of his new students to stand.

The Professor: "You're a Muslim, aren't you, son?" Muslim student: "Yes, sir."
Professor: "So you believe in God?"
Student: "Absolutely."
Professor: "Is God good?"
Student: "Sure! God's good."
Professor: "Is God all-powerful? Can God do anything?"
Student: "Yes."

Professor: "Are you good or evil?"
Student: "The Qur'an says I'm evil."

The professor grins knowingly. "Ahh! The Qur'an!" He considers for a moment and said, "Here's one for you. Let's say there's a sick person over here and you can cure him. You can do it. Would you help him? Would you try?"
Student: "Yes sir, I would."

Professor: "So you're good!"
Student: "I wouldn't say that."

Professor: "Why not say that? You would help a sick and maimed person if you could; in fact most of us would if we could. God doesn't".
Muslim Student: [No answer.]

Professor: "He doesn't, does he? My brother was a Muslim who died of cancer even though he prayed to God to heal him. How is this God good? Hmmm? Can you answer that one?"
Muslim Student: [No answer]
The Professor is sympathetic. "No, you can't, can you?" He takes a sip of water from a glass on his desk to give the student time to relax.

In philosophy, you have to go easy with the new ones.

Professor: "Let's start again, young fellow. Is God good?"
Student: "Er... Yes."

Professor: "Is Satan good?"
Student: "No."

Professor: "Where does Satan come from?" The student falters and said, "From... God"
Professor: "That's right. God made Satan, didn't he?" Then runs his bony fingers through his thinning hair and turns to the smirking, student audience.

The Professor: "I think we're going to have a lot of fun this semester, ladies and gentlemen." Then the Professor turns back to the same student. "Tell me, son. Is there evil in this world?"
Student: "Yes, sir."

The Professor: "Evil is everywhere, isn't it? Did God make everything?"
The Student: "Yes."

Professor: "Who created evil?
Muslim student: [No answer]

Professor continued: "Is there sickness in this world? Immorality? Hatred? Ugliness? All the terrible things - do they

Divine Revelation and Rationality

(A page from the book of Hadhrat Mirza Tahir Ahmad Khalifatul Masih IV[rh])
(Revelation, Rationality, Knowledge & Truth: Part IV, page 255-256)

"In another Chapter we briefly covered the progress of Muslim thought and intellectual pursuits in many areas of human interest. During that period, although Muslim enquiry was predominantly influenced by Qur'anic teachings and the traditions of the Holy Prophet[sa], it could not be entirely qualified as Islamic. There was a rapid proliferation of academic growth in all directions. Many new philosophies and sciences were acquired from past eras of secular, academic and scientific achievements. Also, many a new branch of religious and secular knowledge was pioneered by some outstanding Muslim thinkers. Thus, religion and rationality went hand in hand. They drew their thrust largely from the emphasis on the pursuit of knowledge laid in the Qur'an and the instructions of the Holy Prophet[sa]. The role of rationality was so powerfully highlighted that religious belief and rationality became synonymous. **The proclamation by the Qur'an that Muhammad[sa] is a universal Prophet with a universal message, is in itself tantamount to declaring that the religion of Islam is founded on rationality. No religion with any element of irrationality can be acceptable to the universal conscience of man:**

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا
يَعْلَمُوْنَ 34:29*

And We have not sent thee but as a bearer of glad tidings and a Warner, for all mankind, but most men know not.[1]

Again, the Qur'an demonstrates the universality of its teachings by addressing all human, moral, social and religious problems of man, irrespective of race, colour, creed or nationality. It is necessary therefore, that Islamic teachings should have the potential of global application with an appeal to universal human nature. But this is not the only reason why we draw this conclusion.

The Qur'an manifestly acknowledges the role of rationality for the attainment of truth without drawing any separating line between religious or secular truths. Truth is the religion of Islam, Islam is the religion of Truth. The truth requires no compulsion for the transmission of its message, the only instrument it needs is rationality. As such, Islam invokes human intellect to investigate the truth of the Qur'anic teachings with reference to the study of human nature, history and rationality. It arouses the human faculties of reasoning and deduction, not only for the pursuit of religious investigation, but also for the attainment of secular knowledge."

the message of Islam to the farthest corners of the Earth.

A part of the grand prophecy reads as follows:
"***I confer upon thee a Sign of My mercy according to your supplication. I have heard thy entreaties and have honored thy prayers with my acceptance through My mercy and have blessed this thy journey. A Sign of power, mercy nearness to Me is bestowed upon thee, a Sign of grace and beneficence is awarded to thee and thou art granted the key of success and victory.....***

He will be accompanied by grace, which shall arrive with him. He will be characterized with grandeur, greatness and wealth. He will come into the world and will heal many of their disorders through his messianic qualities and through the blessings of the Holy Spirit. He is the Word of Allah for Allah's mercy and honor has equipped him with the Word of Majesty. He will be extremely intelligent and understanding and will be meek of heart and will be filled with secular and spiritual knowledge...........

Behold a light cometh, a light anointed by God with the perfume of His pleasure. We shall pour our spirit into Him and he will be sheltered under the shadow of God. He will grow rapidly in stature and will be the means of procuring the release of those held in bondage. His fame will spread to the ends of the earth and people will be blessed through him. He will then be raised to his spiritual station in heaven. This is a matter decreed. ***(Sabz Ishtehar, February 20, 1886)***

As foretold in the prophecy Hadhrat Mirza Bashir-ud-Din Mahmud Ahmad was born within the prescribed period of nine years, on January 12th, 1889.

The Promised Messiah[as] announced in his treatise *'Siraje Muneer'* that the promised son whose advent had been foretold to him, had been born.

Subsequently during the caliphate of Hadhrat Khalifatul Masih II[ra] it became quite apparent that the prophecies were fulfilled in his person.

In 1944 Hadhrat Khalifatul Masih II[ra] declared that he was indeed the Promised Son whose birth was foretold by God Almighty to Hadhrat Ahmad[as].

The characteristics explained in the revealed words of this prophecy regarding this illustrious son were very evident in his person; thus fulfilling the prophecy with grandeur. All praise belongs to the Lord.

February 1886 & March 1889

(A page from the history of Ahmadiyyat)

Hadhrat Mirza Ghulam Ahmad, the Promised Messiah and Mahdi, peace be on him, was born on Friday February 13th, 1835 at dawn in Qadian.

Reading and pondering over the teachings of the Holy Qur'an was his favorite hobby early on from his childhood.

Hadhrat Ahmad's childhood was carefree and righteous. His simple, fine habits made an impression on everyone. When he was a child, a revered personage Maulvi Ghulam Rasool admiringly remarked:

*"If anyone deserves to be a prophet in this age, this lad indeed should be one". **(Hayate Tayyeba, pg. 14)***

On December 1st, 1888 he published an announcement that God has ordained him that whomsoever seeks true faith and piety, should take Bai`at, pledge allegiance to him so that Allah may shower His mercy and beneficence on them.

On January 12th, 1889 he published a pamphlet in which he laid down ten conditions of Bai`at for initiation into the Jama`at. In this pamphlet he made it known that anyone who wishes to enter into covenant of allegiance should swear on these from the core of the heart.

On March 23rd, 1889 he started taking oath of allegiance at the house of a spiritual preceptor Hadhrat Sufi Ahmad Jan in the city of Ludhiana. Thus he laid the foundation of Ahmadiyya Muslim Jama`at. Hadhrat Hakim Maulvi Noor al-Din[ra] was the first person to have the honor of taking the first Bai`at.

A little more than three years earlier, under Divine inspiration, Hudur[as] traveled to Hoshiarpur on January 22nd, 1886 to perform *Chilla.* He stayed, in complete isolation, in a house for forty days. All his time was spent in intense meditation, devotion and prayer. These supplications resulted in God Almighty giving him the news of a grand prophecy that is referred to in the Jama`at as ***'Prophecy of Musleh Mau`ood'***.

According to this prophecy Allah the Exalted will bestow on him a son in the next nine years who would bring progress and glory to Islam and Ahmadiyyat. This Promised Reformer would spread

Allah the Almighty, all Knowing said:

[61:7] And call to mind when Jesus, son of Mary, said, 'O children of Israel, surely, I am Allah's Messenger unto you, fulfilling that which is before me of the prophecies of the Torah, and giving glad tidings of a Messenger who will come after me, his name being Ahmad. And when he came to them with clear proofs, they said, this is manifest sorcery.'

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ⑦

[61:8] But who does greater wrong than he who forges a lie against Allah while he is invited to Islam? Allah guides not the wrongdoing people.

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ⑧

[61:9] They desire to extinguish the light of Allah with the breath of their mouths, but Allah will perfect His light, however much the disbelievers may dislike it.

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ⑨

[61:10] He it is Who has sent His Messenger with the guidance and the Religion of truth, that He may cause it to prevail over all religions, however much those who associate partners with Allah may dislike it.

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ⑩

(Al-Saff, 61: 7-10)

The Holy Prophet, on whom be peace and blessings of Allah, has said:

1) "My ***Umma*** can never die which has **me at one end**, and the **Messiah**, son of Mary, **at the other**". ***(Sunan Ibn Majah - Babul E'tisam Bil Sunnat)***
2) How would it be with you when the **son of Mary** will descend among you and you will have a **leader raised from among you**? ***(Bukhari, Kitabul-Anbiya)***

The Promised Messiah[as] said:

"I want to make it clear to Muslims, Christians, Hindus, and Aryas, that I have no enemy. I love all men as a merciful mother loves her children. Nay, more. I am enemy only of false beliefs, beliefs subversive of truth. To sympathize with all humans is my duty and to preach against falsehood, disloyalty to God, tyranny, evil conduct, injustice, and immorality is my mission". ***(Arbain # 1, pg. 2)***

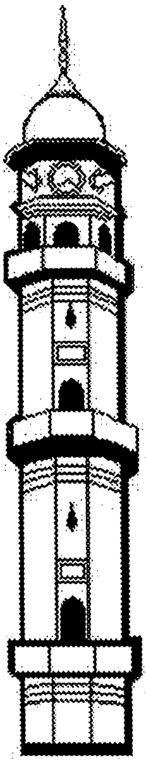

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ

(3:53 & 61:15)

Quarterly

Nahnu Ansarullah Canada

Volume 5, No. 1
Jan – March, 2004

a publication of
Majlis Ansarullah Canada
an auxiliary of
Ahmadiyya Muslim Jama`at Canada

Editorial Board
Nahnu AnsarullahCanada

Amir & Missionary Incharge
Maulana Naseem Mahdi

Sadr Majlis Ansarullah
Kaleem Ahmad Malik

Qa'id `Umumi & Coordinator
Hamid Lateef Bhatti

Qa'id Isha`at & Manager
Mohammad Zubair Mangla

Addl. Qa'id Isha`at & Editor Urdu
Nasir Ahmad Vance

Addl. Qa'id Isha`at & Editor English
Dr. Sajid Ahmad

100 Ahmadiyya Avenue,
Maple, ON L6A 3A4

In this Issue

1	*Words of Wisdom*	2
2	*A page from the history*	3
3	*Divine Revelation & Rationality*	5
4	*Why Science Fails to explain God?*	6
5	*Who are the Amish?*	11
6	*The Holy Qur'an & Medical Science*	15
7	*Diabetes, a simple guide*	21

Regal Financial $ervices Inc.

R FSI

Mortgage and Financial Services

WHEN BANKS SAY NO, WE SAY YES

WE DEAL WITH ALL THE MAJOR BANKS AND LENDERS AND PROVIDE YOU THE LOWEST RATE

NAZEEF CHAUDHARY
MORTGAGE CONSULTANT

Direct Line
647-273-4703

- *RESIDENTIAL AND COMMERCIAL*
- *100% FINANCING*
- *1ST, 2ND & 3RD MORTGAGES*
- *PRE APPROVALS*
- *MORTGAGE TRANSFERS, RENEWALS, REFINANCE*
- *SELF-EMPLOYED*
- *NEW IMMIGRANTS / NO INCOME*
- *GOOD, BAD, OR NO CREDIT*
- *CASH BACK*

6465 Airport Rd. Suite 200 Mississauga, ON, L4V 1E4
Tel: 905-671-3737 Fax: 905-293-9779

NAHNU ANSARULLAH

Jan-March 2004